انتخابِ ظریف لکھنوی

مقدمہ و انتخاب: حسین رضوی

اُردو اکیڈمی سندھ۔ کراچی

انتخابِ ظریف

(اکبر ثانی ظریف لکھنوی کے کلام کا انتخاب)

مع

مختصر حالاتِ زندگی

مرتبہ

حسین رضوی

(وحشی محمود آبادی)

اردو اکیڈمی سندھ کراچی

اشاعت ...... باراول
تعداد .... ایک ہزار
کتابت .... منشی احمد علی دہلوی
تاریخ اشاعت ۱۹۷۷ء
مطبوعہ .... باب الاسلام پرنٹنگ پریس کراچی

ترتیب

اعتراف

حضرت ظریف لکھنوی کے کلام کے انتخاب میں
اُن کے دیوان "دیوانجی" سے پورا پورا استفادہ
کیا گیا ہے۔

حسین رضوی

اکبر ثانی : حیات و شاعری

اردو ادب میں طنز و ظرافت کی ابتدا، جہاں سے بھی ہوئی ہو لیکن یہ ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ "اودھ پنچ" اردو کا پہلا اخبار تھا جس نے سیاست حاضرہ پر بے باک اور بے لاگ تبصرہ کیا اور سماج کی دکھتی ہوئی رگوں پر نشتر لگائے۔ بلاشبہ اودھ پنچ کے ساتھ بعض دوسرے جرائد کے نام بھی لئے جا سکتے ہیں مگر "وہ بات کہاں مولوی مدن کی سی"۔ ہو سکتا ہے کہ وسیع ہندوستان کے طول و عرض میں کسی اہلِ قلم نے بے اندیشۂ انجام کوئی شگوفہ چھوڑ دیا ہو لیکن کوئی اخبار منشی سجاد حسین اور ممتاز حسین عثمانی کے سے صحافی کہاں سے لاتا جن کے نام آج بھی قلم کی عظمت اپنے دامنوں میں چھپائے ہیں۔

اودھ پنچ وہ نام ہے جو غلام ہندوستان کی صحافتی بیداری کا ہم ردیف ہے اور جس کے پس منظر سے لائق مدیروں کے علاوہ چند جانے پہچانے چہرے بھی جھانکتے نظر آتے ہیں۔ ان چہروں میں ایک چہرہ تو اس کارٹونسٹ کا ہے جس کا ذہن رسالہ اخبار کی سربلندی میں مدیران اخبار کا ہم پلہ ہے۔ دوسرے معروف اور غیر معروف چہروں کے ساتھ ایک کی پیشانی سے پھلجھڑیاں سی چھوٹتے معلوم ہوتی ہیں اور روپہلے سنہرے پھولوں سے ایک نام خود بخود معرضِ شہود میں آ جاتا ہے۔ "مرزا مچھو بیگ ستم ظریف"

اپنے دور کا یہ مشہور شاعر و ادیب کن صلاحیتوں کا مالک تھا؟ اس کی شہادت وہ قارئین دے سکتے جو اودھ پنچ کو ہاتھ میں لیتے ہی اضطرابی سے ورق گردانی کرنے لگتے اور ان کی نگاہیں "مرزا مچھو بیگ" کے نام کو تلاش کرنے لگتیں اس نام کے ساتھ جوالا پرشاد برق، تربھون ناتھ ہجر بھی نظر انداز نہیں ہو سکتے۔ پھر تجسس کے پردوں پر ایک آخری تصویر متحرک نظر آتی جو نواب چھتاری کی نگاہ سے گزرتی تو ان کا ہاتھ اپنی مونچھوں پر پہنچ جاتا اور سردار عبدالرب نشتر اس کو دیکھتے تو اپنے وجود پر فطرت کا عملی طنز محسوس کرتے۔

سراب نظر کی کرشمہ سازی غلط فہمی کے دوسرے راستے بھی پیدا کر سکتی تھی اگر تصویر کے ہلتے ہوئے ہونٹ حقیقت کو بے نقاب نہ کر دیتے اور ایک متین و رعب دار آواز کانوں میں نہ پڑ جاتی

ظریف ایسے کالے کلوٹوں کے صدقے کوئی ہے؟ ذرا بڑھ کے لے لے بلیاں!

یہ تھا آغاز مقبول حسین ظریف لکھنوی کا جس کا ایک پہلو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ "اودھ پنچ" کی سربلندی کے سہارے پروان چڑھے لیکن اس کا دوسرا رخ یہ بھی ہے کہ ظریف کی شاعری اوّل دن سے اتنی معیاری تھی کہ "اودھ پنچ" کا دامن اس کے لئے کشادہ ہو گیا اور اس کے بعد تو یہ عالم ہوا کہ بنگال سے سندھ تک اور ہمالے سے راس کماری تک جہاں بھی شعر و سخن کے سودائی جمع ہوتے، ظریف کو دعوتِ سخن سرائی دی جاتی اور اکبر کے بعد طنز و مزاح ایک نئے قالب میں نظر آتا۔

دنیا کے باکمالوں نے ہمیشہ قدر ناشناسی کا شکوہ کیا ہے۔ خود اردو کے اربابِ فکر بھی یہی آوازہ بلند کرتے رہے ہیں۔ منیر شکوہ آبادی نے کہا تھا: "شرمندہ ہوں میں اپنے

کمالوں کے سامنے۔" مگر ظریف کو اپنی زندگی میں زمانے سے یہ شکایت نہیں ہوئی۔ انھوں نے جس طرف کا رُخ کیا، مقبولیت نے قدم چومے۔ جس محفل میں گئے ہاتھوں ہاتھ لیے گئے، لیکن مرنے کے بعد کچھ اس طرح بھلا دیئے گئے کہ ان کی روح فریادی ہو رہی ہے اور ان کے کمالِ فن کا ہاتھ اہلِ ذوق کے گریبانوں کی سمت بڑھتے محسوس ہوتا ہے۔

زیادہ شکایت ان تنقید نگاروں سے ہے جو ظریف کی منزلت سے پوری طرح واقف ہیں اور ایک ارادی تغافل کے ساتھ ان کے مکتبۂ فکر کے خوشہ چینوں کو اچھالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ وہ بھول جاتے ہیں کہ اردو کا دامن اس مایۂ ناز شاعر کے کلام سے خالی ہو گیا تو اکبر کے سجادہ سخن پر کسی کو بٹھانا ممکن نہ ہوگا۔

اردو کی مزاحیہ شاعری یوں تو تغزل کے دوش بدوش چلتی ہے مگر صحیح معنی میں اس کا سہرا دورِ اکبر سے شروع ہوتا ہے جس کا اختتام ستمبر ۱۹۲۱ء میں اکبر کی موت پر ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد کا زمانہ ظریف لکھنوی کا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اکبر کے حینِ حیات ظریف بالکل گمنام تھے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ لکھنؤ کے مشاعرے سنہ ۱۸۸۹ء سے صفی کے جواں سال بھائی کو جانتے تھے، جب اس نے پہلے پہل طرح میں مزاحیہ غزل پڑھی تھی۔

سید مقبول حسین ظریف ۴ ۲ر فروری سنہ ۱۸۷۰ء مطابق ۲۲ر ذیقعدہ سنہ ۱۲۸۶ھ روز پنج شنبہ مولوی گنج لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ ایک ذی علم گھر کے بچے کی حیثیت سے ابتدائی عمر میں پڑھنے بٹھا دئے گئے۔ زمانے کے رسم و رواج کے مطابق عربی و فارسی میں دستگاہ حاصل کی پھر ذاتی شوق کی بنا پر سنسکرت کی طرف رجوع ہوئے اور بقدرِ ضرورت انگریزی بھی پڑھی لیکن شاعرانہ ماحول میں

پرورش پانے کا نتیجہ یہ نکلا کہ اکتساب علم کے بجائے شروع ہی سے قافیہ پیمائی کرنے لگے اور انیس بیس سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہونے کے بجائے شمالی ہندوستان کے جانے پہچانے شاعر بن گئے۔

یہ وہ دور تھا جب "اکبر الہ آبادی" کوس لمن الملک" بجا رہے تھے اور ان کی ہمہ گیریت کے سامنے کسی نوعمر شاعر کے قدم جمنا مشکل تھا مگر اکبر عوامی مشاعروں کے شاعر نہ تھے اس لئے اکبر کا فن اور شخصیت ظریف کے راستے میں حائل نہ ہو سکی اور وہ ایک سرعت کے ساتھ ناموری اور شہرت کی طرف آگے بڑھتے رہے۔

ظریف کا گھر ہمیشہ سے شعر و شاعری کا گہوارہ رہا تھا اور انھوں نے اپنے بڑے بھائی مولانا علی نقی صفی لکھنوی کے زیر تربیت ہوش سنبھالا تھا، لہذا غزل کی طرف ان کا میلان لازمی تھا اور پہلے پہل مشاعرے میں جو کچھ پڑھا وہ بڑے بھائی کی اصلاح شدہ غزل ہی تھی لیکن فطرت نے انھیں بذلہ سنج مزاج اور حاضر جواب طبیعت لے کر پیدا کیا تھا اور خداداد ذہانت تو بچپن ہی سے ضرب المثل ہو گئی تھی اس لئے کسی تحریک پر بلا از خود وہ ظریفانہ کلام کی جانب متوجہ ہو گئے اور ان کا تخلص بھی ظریف ہو گیا۔

ظریف کی ابتدا خالص مزاحیہ شاعری سے ہوئی جس کا مقصد ناظرین یا سامعین کی تفریح طبع سے زائد کچھ نہ ہو سکتا، مگر آہستہ آہستہ وقت کے تقاضے اور حالات کے تاثر سے اصلاح کا رنگ غالب آتا رہا اور پختہ کاری کی منزل تک پہنچتے پہنچتے وہ اکبر ثانی بن گئے۔

میں نے ظریف کا نام پہلے پہل اسکول کی زندگی میں سنا۔ سنہ ۱۹۱۱ء میں

مولانا صفی نے مسلم لیگ اور ایجوکیشنل کانفرنس کے مشترکہ اجلاس میں اپنی مشہور اور مقبول ترین نظم پڑھی تھی۔ "زندہ ہیں اگر زندہ دنیا کو دکھا دیں گے"۔ اس نظم کا ہر شعر برسوں تک لوگوں کے وردِ زبان رہا۔

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دبا دیں گے

دھارے ہیں زمانے کے بجلی کا خزانہ ہے
بہتے ہوئے پانی میں ہم آگ لگا دیں گے

ہم کون ہیں۔ ہم کیا ہیں؟ ہم کچھ بھی نہیں لیکن
وقت آنے دو۔ وقت آئے۔ پھر تم کو بتا دیں گے

ایران ہو یا ٹرکی۔ دونوں کو مٹا دیکھیں
کیا صفحہ ہستی سے اسلام مٹا دیں گے؟

ہم سینۂ ہستی میں انگارہ ہیں، آگاہ
شعلے بھڑک اٹھیں گے جھونکے جو ہوا دیں گے

ظریف نے جرمنی کی پہلی جنگ میں "افیونیوں کا رجز" اسی زمین میں نظم کیا اور دونوں بھائیوں کی نظمیں دوش بدوش شہرت کے آسمان کو چھوتی ہیں۔ یہاں تک کہ طالب علمی کے دور میں چند شعر میرے بھی کانوں میں پڑے۔

ہم لوگ ہیں افیونی جب رنگ جما دیں گے — جرمن ترے نشہ کو مٹی میں ملا دیں گے
"پھوے" کو بھرا ہم نے جس وقت "مدیئے" میں — تو کھا نستا بھاگے گا۔ وہ گیس اڑا دیں گے
لے لے کے پھری گدکا جب پینترے بدلیں گے — برلن کے اکھاڑے میں اک دھوم مچا دیں گے

زپلن جو اڑ آتا ہے جرمن ہمیں کیا پروا ‏ کنکوے میں چپٹا کے میدان میں گرادیں گے
ریفل کی تو صورت بھی ہم نے نہیں دیکھی ہے ‏ گاجر کے پڑاقوں سے ہم تجھ کو بھگادیں گے
ہم شیر کے پس خوردہ کھائے ہوئے گیدڑ ہیں ‏ تو بھاگ کھڑا ہوگا، بھپکی جو بتادیں گے
ہم قحط کے مارے ہیں مرنے سے نہیں ڈرتے ‏ اک دانے پہ جو انکے دس ہمیں بھگادیں گے
انیس برس گزرے طاعون سے لڑتے ہیں ‏ موت آئے تو اک ٹیکا اسکے بھی لگادیں گے
شاباش ہے اے اتلی، لینا تو مرے شیرا ‏ دشمن سے لڑے جانا، ہم لوگ دعا دیں گے

اس نظم کے بیشتر اشعار میرے ہم جماعتوں کو یاد تھے اور ہم ایک دوسرے کو سنا کر لطف لیا کرتے تھے۔ میں نے اب تک ظریف کو دیکھا نہ تھا مگر مخلوق کو دیکھ کر خالق کا کوئی قیاسی تصور فطری ہوا کرتا ہے۔ لہٰذا میں نے بھی ظریف کو ایک انسانی ہیولے کا پابند کرلیا تھا۔ یہ ہیولیٰ تھا صوری طور پر ایک تمسخر آمیز چہرے کا جس پر پرانی وضع کے پٹے، آدھے کلے تک بھیکیں اور مونچھیں درمیان سے صاف، دونوں کناروں پر تھوڑی تھوڑی لگی ہوئی اور...... ایسی ہی دوسری چیزیں لیکن تھوڑے ہی وقفہ سے لکھنؤ کے ایک بڑے مشاعرے میں شرکت کا اتفاق ہوا جس میں ظریف بھی مدعو تھے۔

بچپن کی بات ہے مگر اس مشاعرہ کا ایک مدھم سا تصور آج بھی حافظہ میں موجود ہے۔ طرحی مشاعرہ تھا۔ ردیف وقافیہ پورے طور پر یاد نہیں، لیکن مشاعرہ کا اختتام مرزا محمد ہادی عزیز یا مولانا صفی کی غزل پر ہوا تھا اور رنگین کی کامیاب ترین ہزل کے بعد ظریف کا نام پکارا گیا تھا۔ مجھے ظریف کو دیکھنے کا از حد اشتیاق تھا۔ لہٰذا جیسے ہی اناؤنسر کی آواز بلند ہوئی "حضرت مقبول حسین ظریف"!

ـــــ میں ذرا اونچا ہو بیٹھا اور میں نے دیکھا کہ اگلی صف سے ایک ٹھاکر بڑی متانت اور آن بان سے اٹھا اور صدر مشاعرہ کے قریب آ بیٹھا تنگ مُہری کا پاجامہ ہو یا ممکن ہے چوڑی دار، شیروانی اور رامپوری ٹوپی میں ملبوس ایک قوی ہیکل آدمی ظریفؔ کے نام سے میرے سامنے تھا جس کی چمکدار آنکھیں جلسہ کی آخری حد تک حاضرین کا احاطہ کر رہی تھیں۔ لانبی اور گھنیری مونچھوں کی نوکیں دونوں طرف سننے والوں کو زد پر لئے ہوئے تھیں۔

ایسے باجبروت چہرے کو دیکھ کر مجھے سخت مایوسی ہوئی کیونکہ میں ظریفؔ کو ایک مضحک شکل میں پانے کا متوقع تھا جس کے برعکس وہ ہندوستان کے شجاعانہ رعب داب کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ آئے تھے مشاعرہ میں غزل پڑھنے اور صورت سے معلوم ہوتا تھا کہ اجداد کی تلوار کے جوہر دکھائیں گے۔ پھر یہ بھی نہیں کہ بُشرے سے کوئی مُسکراہٹ آشکار ہو رہی ہو۔ حد سے زائد بردبار اور سنجیدہ۔ اسی سنجیدگی میں انھوں نے طلوع فکر کا مظاہرہ کیا۔ حاضرین لطف و انبساط میں لوٹ پوٹ ہو گئے مگر ظریفؔ اسی طرح بیٹھے رہے چہرہ پر تبسّم کی کوئی ہلکی سی علامت بھی نہ تھی، البتہ داد و تحسین کے شور میں کسی خصوصی التفات پر وہ ادب سے سلام کر لیتے اور پھر سیدھے بیٹھ جاتے۔ مطلع کے بعد دوسرے اشعار بھی کم و بیش پسند کئے گئے۔ مجھے بھی بعض ہنسنے ہنسانے والے شعروں میں لطف آیا اور بارہ چودہ شعر کی یہ غزل گویا لمحات میں ختم ہو گئی۔

رات دو تہائی گزر چکی تھی پھر بھی بعض لوگوں نے کوئی نظم پڑھنے کی فرمائش کر دی اور ظریفؔ قدرے تامل سے بیاض کی ورق گردانی کرنے لگے۔ برسوں کی بات ہے۔ نظم کا عنوان تو حافظہ میں قطعاً محفوظ نہیں، لیکن بعض

اشعار کی ندرت خیال اب تک ذہن میں تازہ ہے۔ جس کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ وہ نظم "آنریری" تھی۔ سلطان الظرفا نے اپنے مخصوص انداز میں اس لفظ کی تشریح فرمائی تھی۔ اقتباس ملاحظہ ہو۔

پوچھا مجھ سے آکر ایک ناواقف مسلماں نے
کہ لفظ آنریری کے سمجھنے میں ہے دشواری
کہا میں نے سنیں سرکار، کل اقوام عالم میں
ہے مطلب صاف اس کا "ایک عزت دار بیگاری"
بلا تنخواہ کے لوگوں کا خدمت گار بن جانا
یہی بس کسر نفسی ہے۔ یہی عینِ رواداری
غلام ایسا کہ مالک قوم کی ہر فرد ہو جس کی
بلا اجرت کا مزدورا، کس وناکس کا بیگاری
وہ رہرو دو قدم ہمراہ چلنا جس کے مشکل ہو
وہ لاوارث کا مردہ ہو جو دوش قوم پر بھاری
وہ خود رو گھاس جسکو نوچ ڈالے جس کا جی چاہے
وہ سبزہ جسکی پامالی کو لازم تیز رفتاری
وہ بے دیں فرد جس کا کوئی مذہب ہو نہ ملت ہو
وہ کافر بے گنہ ہو قتل جس کا عینِ دینداری

"عزت دار بیگاری" کہہ کر ظریف کچھ اور متین نظر آنے لگے اور مشاعرہ اپنے عروج پر پہنچ گیا۔ شعر کو کئی مرتبہ پڑھ کر وہ آگے بڑھے۔

بلاتنخواہ کے لوگوں کا خدمت گار بن جانا
یہی بس کسرِ نفسی ہے یہی عینِ رواداری

غلام ایسا کہ مالک قوم کی ہر فرد ہو جس کی
بلا اجرت کا مزدورا، کس و ناکس کا بیگاری

وہ رہرو دو قدم ہمراہ چلنا جس کے مشکل ہو
وہ لاوارث کا مُردہ، ہو جو دوش قوم پر بھاری

دوسرے مصرعہ پر تو شور قیامت بلند ہو گیا۔ لوگ آدھے آدھے دھڑ سے کھڑے ہو گئے اور ظریف نہایت انکسار کے ساتھ جھک جھک کر سلام کرنے لگے۔ یہ شعر تو سامعین کو اتنا پسند آیا تھا کہ متعدد بار پڑھوانے کے باوجود فرمائش جاری تھی۔ آخر ظریف نے آوازوں پر اعتناء کیے بغیر اگلا شعر پڑھ دیا۔

وہ خودرو گھاس جسکو نوچ ڈالے جس کا جی چاہے
وہ سبزہ جس کی پامالی کو لازم تیز رفتاری

وہ بے دیں فرد جس کا کوئی مذہب ہو نہ ملت
وہ کافر بے گنہ ہو قتل جس کا عین دینداری

وہ قومی ٹارگٹ جس پر نشانہ مارنے والے
کریں آنکھوں کو بند اور ہاتھ کی دکھلائیں تیاری

"قومی ٹارگٹ" بھی مجمع کو اس قدر پسند آیا کہ ظریف کے لئے اگلا شعر پڑھنا دشوار ہو گیا۔ پھر بھی انھوں نے پڑھ دیا۔

وہ اک برگشتہ قسمت خدمت بے لوث کا جس کی
صلہ لعنت ملامت اور نتیجہ ذلت و خواری

وہ اک پتھر کی مورت قلب پہلو میں نہ ہو جس کے
کرے ہر شخص حسب حوصلہ اس کی دلآزاری

وہ جنس بے حقیقت قدر ہو جس کی نہ قیمت ہو
وہ کوڑا پھونک دیں عندالضرورت جسکو بیوپاری

ساری نظم میں کوئی شعر ایسا نہ تھا جس نے قبول عام حاصل نہ کیا ہو مگر بعض شعر تو اتنی بار پڑھوائے گئے کہ ان کا بھول جانا ممکن ہی نہ تھا۔ چنانچہ اس شعر کا دوسرا مصرعہ بھی لوگوں کے ورد زبان ہو گیا اور اس کے بعد ظریفؔ نے پڑھا۔

چڑھا دیتے کو قربان گاہ پر اک مفت کا بکرا
کہ جس کا قوم کی منڈی میں مالک ہو نہ بیوپاری

تحسین و آفریں کا غلغلہ اب اتنا بلند ہو چکا تھا کہ ظریفؔ کے لئے کچھ دیر تک آگے بڑھنا آسان نہ رہا تھا اس لئے وہ اس طرح بے تعلق ہو کر بیٹھ گئے جیسے ان کا اس نظم اور داد و تحسین سے کوئی واسطہ ہی نہ ہو اور ظریفؔ کا یہ انداز اپنی جگہ پر خود ایک "ہزل" تھا۔ کہا جاتا ہے کہ مشاعرہ کی کامیابی ظریفؔ کا حصہ تھی۔ مگر میرے لئے ان کو سننے کا یہ پہلا موقع تھا، لہٰذا میں سوچے بغیر نہ رہا کہ اتنے شاعروں کو پڑھوانے کے بجائے اگر صرف ظریفؔ کو پڑھوا دیا گیا ہوتا تب بھی مقصد پورا ہو جاتا اور رات بھی بچ جاتی۔

مشاعرہ ختم ہوتے ہی ظریف تو پرستاروں میں گھر گئے۔ میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ باہر نکلا تو اکثر لوگوں کی زبان پر ظریفؔ کا نام تھا۔ "طرح" کے بعض اشعار اور کامیاب ترین شعراء کے ذکر سے قطع نظر "آنریری" عام موضوع بحث

بنا ہوا تھا اور خود میں بھی اس قدر محظوظ ہوا تھا کہ کئی روز مشاعرہ کا منظر نگاہوں میں گھومتا رہا۔

اس کے بعد کئی مرتبہ ظریف کو سننے کا اتفاق ہوا اور مجھے یاد نہیں پڑتا کہ ظریف کی غزل خوانی کے وقت مجمع کبھی خاموش رہا ہو، بلکہ مشاہدہ تو یہ بتاتا ہے کہ ظریف ایک سکوت میں بیٹھے ہوتے اور مجمع چھتیں اڑا رہا ہوتا۔

مجھے ذاتی طور پر مزاحیہ شاعری سے کوئی لگاؤ نہیں، مگر ہنسنا ہنسانا بچوں بوڑھوں سب کو مرغوب ہوتا ہے۔ میں بھی اس عمر میں اسی حد تک ظریف سے متاثر ہوا۔ کلام کا اصلی جوہر تو سن شعور میں آکر کھلا جب ظریف کی آمد ورفت محمود آباد میں ہوئی اور انھیں قدرے قریب سے دیکھنے کا موقع ملا، تو میں ورطہ حیرت میں رہ گیا۔

بادی النظر میں وہ اسم بامسمیٰ تھے، لیکن کون جانتا ہے کہ ظرافت کے اس پیکر میں جو درد مند دل چھپا ہوا تھا وہ قوم کی بدحالی پر کسی پہلو قرار نہ پاتا۔ اس دل کی دھڑکنیں لبا اوقات اشعار کا قالب اختیار کر لیتیں جن میں آج بھی ظریف کی آواز سنی جا سکتی ہے۔

ظریف نے تقریباً اڑتالیس سال مشق سخن کی۔ کہنے کو تو ان کی شاعری کا آغاز بہت ہی صغیر سنی میں ہو گیا تھا لیکن باقاعدہ شاعری کی ابتدا اس وقت سے تصور کی جائے گی جب سے انھوں نے سنہ ۱۸۸۹ء میں مشاعرہ میں پہلی مزاحیہ غزل پڑھی۔ ۳۰ر دسمبر سنہ ۱۹۳۷ء ان کے سفر آخرت کی تاریخ ہے۔ درمیانی مدت زمانۂ شاعری قرار دی جائے گی اس طویل عرصہ کو دیکھتے ہوئے

ان کا مجموعۂ کلام کچھ زیادہ نہیں ہے۔ تاہم بنگاہ غائر اس کا مطالعہ کیا جائے تو جو کچھ انھوں نے چھوڑا ہے وہ اپنی وقعت کے اعتبار سے ہر طرح توقعات کو پورا کرتا ہے۔

مولانا صفی نے جو "دیوانچی" مرتب کیا ہے، بیس × تیس × آٹھ میں اس کی ضخامت ۲۰۴ صفحات ہے، جس میں سے ۴، یا ۵، ۷ صفحات مقدمہ کے نکال دیئے جائیں تو خالص کلام ۲۰۳ صفحوں پر مشتمل ہے۔ جس میں ۱۲۵ غزلیں اور ۵۵ قطعات حصہ اول ہیں، حصہ دوم ناتمام غزلوں پر مشتمل ہے اور یہ دو حصے دیوان کے ۱۹۲ صفحے پورے کر دیتے ہیں۔ تیسرا حصہ نظموں کا ہے اور یہی ظریف کی وقیع ترین کائنات اور ادب کا عظیم سرمایہ ہے جس کی ناقدری اگرچہ مشرق کی روایات میں داخل ہے مگر جس کا اتلاف ادب و قوم کا وہ خسارہ ہوگا، زمانہ شاید جس کی تلافی نہ کر سکے۔

دو سو صفحات سے زائد کی یہ اکیاسی نظمیں ظریف کی ہمہ گیری پر دلالت کرتی ہیں اور اپنی نوعیت کے لحاظ سے اردو میں ان کا جواب نہیں۔

ظریف اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔ علمی قابلیت، ذاتی اہلیت، خاندانی شرافت اور سماجی حیثیت جو کچھ بھی تھی، وہ ان کے دم کے ساتھ رخصت ہو گئی۔ اب تو ظریف نام ہی اس نتیجۂ فکر کا ہے جس کا اجمالی خاکہ چند لفظوں میں کھینچا گیا ہے۔ قدرے تفصیل سے اس کا جائزہ لیا جائے تو ظریف کا سارا کلام ایک مخصوص زاویۂ نگاہ سے دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

ایک وہ جس سے صرف تفنن طبع، لفظی الٹ پھیر اور مہذب ظرافت کے

سوا کوئی اصلاحی پہلو برآمد نہیں ہوتا اور ہوتا بھی ہے تو برائے نام۔ اور ایسے ہی اشعار حقیقتاً مزاحیہ غزل کی تعریف میں ہیں جن کو نظیر کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

مجمع عشاق میں جو تھا سڑی دیوانہ تھا
گھر کسی کا کیا تھا۔ اچھا خاصا پاگل خانہ تھا

شہیدان وفا کا خونِ ناحق رنگ لایا ہے
اُگی ہے لال چولائی زمیں کوئے قاتل پر

خالی خولی مجمعِ عشاق تھا، حقہ نہ پان
واہ، اچھا انتظام محفل جانانہ تھا

کہا کرتے تھے والد قیس کے فرط محبت میں
نہیں معلوم کس جنگل میں برخوردار بیٹھے ہیں

پہناتے وقت کرتہ قیس کو یہ تھی دعا ماں کی
الٰہی خیر کرنا میرے بچے کے گریباں کی

اسی تسلسل میں عشق کے بعد حسن پر طبع آزمائی کی ہے۔

آبداری آئی جب خنجر پہ کھا گے جاں نثار
ہو گئے بیکار پیری میں سفیدا بروئے دوست

صلہ آئینہ رو بھی صورت جام لیتے ہیں
سرا کلٹے استرے سے مونڈ کر انعام لیتے ہیں

اچھی خاصی یار کی بیمار آنکھیں ہو گئیں
شاعروں کے جھوٹ کی طومار آنکھیں ہو گئیں

ترے کپڑوں کی لادی لانا جب یاد کرتے ہیں
تو اکثر شب کو دھوبی کے گدھے فریاد کرتے ہیں

جس کی مٹھی میں رہے دزد حنا ایسا حسیں
نام کو معشوق ہے دراصل تھانیدار ہے

مختلف موضوعات پر ندرت خیال ملاحظہ ہو۔

رحمت ہے میکشوں پہ عجب کارسازکی
کلھیا سامنے ضعیفی میں پیمانہ ہوگیا

بجا کرتالیاں تقریر پر تحسین کے پردے میں
مہذب لوگ اسپیکر کو کیا الّو بناتے ہیں

کہتے تھے لوگ جس کو چڑی مار ہند میں
ملک عرب میں جاتے ہی صیّاد ہوگیا

ہے جب سے کوچۂ جاناں میں کرفیو آڈر جاری
تو شب کو دس بجے سے قبل عاشق بھاگ جاتے ہیں

سمجھے گا اب تو شورش پنہاں اہل دل
بیدادگر کے خوب ہوا، داد ہوگیا

دولتّی ہے سمند ناز کی غیروں کا مرجانا
یہی تو ہے طویلے کی بلا بندر کے سرجانا

کیوں نہ ہوتا تانیث عشرت حاصل تذکیر غم　　بی خوشی زیب النسا ہیں بنت عالمگیر غم

قدرت حق کا ہے مذاق، خلقت آدم اے ظریف
باپ سبھوں کا بن گیا خود وہ مگر پسر نہیں

شیخ جی کا عہد پیری دوسرے ماہِ صیام
جھرّیاں پڑنے سے لچھّے دار آنکھیں ہو گئیں

چار ہی ٹانگیں اونٹ کی وہ بھی پھنسی ہیں دو جگہ
ایک طرف عراق میں، ایک طرف حجاز میں

جب ہیں شریر سب وہ آخر ہیں جن کے بان ہو
اس کلیہ میں داخل تم بھی تو مہربان ہو

ہوتا اگر آدم کا دنیا میں کوئی بھائی　　نسل بنی آدم کا واللہ چچا ہوتا

کہتے ہیں گدھا لوگ جسے ہے وہی خر بھی　　انسان وہی سب جسے کہتے ہیں بشر بھی

نزع میں پکڑے ہوئے تھے اپنی ڈاڑھی شیخ جی　　رہ گئی دم اور مرغِ روح پرواز کی

آئی یہ فصل گردش لیل و نہار سے
گورے ہزاروں مر گئے کالے بخار سے

قیامت تک نہ پیتا دودھ کوئی گائے ماتا کا
جو بچھیا اس کی پنڈت جی کہیں ہم شیر ہو جاتی

نر ہے یا مادہ عجیب ترکیب ہے اس نام کی
کچھ حقیقت ہی نہیں کھلتی ہے سیتا رام کی

کلام کا دوسرا حصّہ اصلاحی ہے۔ یہ اصلاح سماجی بھی ہے اور سیاسی بھی۔ سماجی اصلاح میں ظریف کی نظر معاشرہ پر بھی تھی، اور مغرب کی اندھی تقلید پر بھی بالخصوص وہ قوم کی بیٹیوں کی فیشن پرستی سے بہت خائف تھے، اور اس ضمن میں رہ رہ کر دل کا اُبال اشعار کی صورت اختیار کر لیتا تھا۔

صدقے اس فیشن کے کیا کہنا حسینانِ فرنگ
پٹے رکھ کر حُسن کو تم نے لنڈورا کر دیا

کمر موٹی لنڈورے بال، سینہ صاف، قد لانبا
ہزاروں ہیجڑے صدقے بتانِ فیشن ایبل پر

گہہ رُخ پہ نقاب اس کے، گہے ہاتھ میں تلوار
معشوق وہ معشوق جو مادہ بھی ہو نر بھی

تم کترواڈالو اگر بال تو الجھن گھٹ جائے
مختصر قصۂ طولِ شبِ ہجراں ہو جائے

نظر بازو! جوانی ہو گی اس کی دید کے قابل
ابھی تو گھٹنیوں چلنے لگا ہے شوق عریانی

مساوات اس کو کہتے ہیں، نئی تہذیب کیا کہنا
کہ یکساں ہو گئی صورت زنانی اور مردانی

شوخیٔ دستِ جنوں فتنہ ساماں دیکھئے　　ناف تک پہنچی حد چاکِ گریباں دیکھئے

وحشت میں ہر اک نقشہ الٹا نظر آتا ہے　　مجنوں نظر آتی ہے لیلیٰ نظر آتا ہے

سماج کے عمومی سدھار اور خیالات کی اصلاح کے لئے ان کا قلم اٹھتا ہے تو کہتے ہیں۔

جو ماڈرے کے الٹ پھیر کو خدا سمجھے　　وہ اس زمانہ کا عاقل ہے اور فرزانہ

بیوی کی روٹی کھاتے ہی نواب ہو گیا　　شادی ہوئی کسی کی اگر مالدار سے

تہذیب کے کھتے تلے بیشک جناب آدم　　صحبت میں ان کی ذکر مادر پدر نہیں ہے

آب و ہوائے فطرت چولا اگر بدلتی | بلبل حرام ہوتی، کوا حلال ہوتا

قوم کی بدحالی اور وطنیت کے جذبے سے بھی وہ از حد متاثر تھے اور ان کا بیشتر کلام اسی تاثر کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ جل کر کہتے ہیں۔

ہم کو اڑانے دو کنکوے بدکر پیچ لڑانے دو
سر پہ فلاکت منڈلاتی ہے حرج نہیں منڈلانے دو

ایک نظم میں انھوں نے نوجوانوں سے مخاطبہ کیا ہے۔

غیر ورزش کریں، پٹا سیکھیں | آپ کنکوے لوٹنا سیکھیں
غیر میدان میں جاکے بانا ہلائیں | آپ چرخی لئے پتنگ اڑائیں

ایک دوسری نظم میں اظہار تاثر کیا ہے۔

ہمیں تو واقعی اظہار میں بھی شرم آتی ہے
کہ جس صورت سے لندن جاکے اکثر نوجواں پلٹے
گزارا منچلوں نے سینما میں وقت تعلیمی
سند کی جا پہ لے کر چند تصویر بتاں پلٹے

جذبہ پیدا کرنے کے لئے وہ براہِ راست خطاب کرنے کے کم قائل تھے۔ بات ایسے انداز میں کہتے تھے کہ بظاہر مقصدی نہ ہو مگر مقصد خود بخود حاصل ہو جائے۔

تھا وہ کچھوا سطے کی جس نے رفتہ رفتہ راہ شوق
خواب غفلت میں بسر کی جس نے وہ خرگوش تھا

خود بخود لکڑی میں یوں سوراخ ہو جاتا نہیں
جب تلک برمے سے نجار اس کو برماتا نہیں
جیتنا ممکن نہیں اُس شخص کو جز ہار کے
جو کبھی گھوڑ دوڑ میں گھوڑے کو دوڑاتا نہیں

اور اگر کبھی براہِ راست مخاطبت ہے تو اصلاح کا عجب طریقہ ہے۔ رضاکاروں سے خطاب کرتے ہیں۔

بُرا ہوتا ہے بھیّا سامنا دشمن کے رائفل کا
بہت آسان ہے مدقوق ہو کر گھر پہ مر جانا
جو دشمن گھیر لے، کہنا کہ پردیسی مسافر ہیں
جو پوچھے کوئی لڑنے آئے ہو؟ انکار کر جانا
کبھی چندہ نہ دینا، وعدے کر لینا ہزاروں کے
اگر ہو دسترس، قومی امانت ہضم کر جانا

ظریفؔ قومی لیڈروں سے بہت نالاں تھے۔ خواہ وہ مذہبی ہوں یا سیاسی انھوں نے دونوں کے خلاف بار بار آواز اٹھائی ہے۔ مذہبی رہنماؤں کا چربہ اتارتے ہیں۔

داڑھی کو تری واعظ سب دیکھ کے کہتے ہیں
وہ قصر تقدس کا چھجّا نظر آتا ہے
یہی وہ لکڑیاں ہیں جن کے دستے ہیں بسولوں میں
انھیں کی وجہ سے قطع و بُرید نخلِ ملت ہے

حکومت کے سبوے سے جہاں قربت ہوئی انکو
تو اپنوں ہی کی جڑ کاٹیں، یہ ان کی خاص عادت ہے

سر پہ دستار فضیلت، پاؤں میں ڈاسن کا بوٹ
نیچے جنٹلمیں، اوپر صورت زُہاد قوم
دین کا دلاّل ادھا اہل دنیا کا اجنٹ
مولوی بھی، ماسٹر بھی، واہ رے استاد قوم

سیاست میں ان کا کوئی خاص نصب العین نہ تھا لیکن وہ غلط قیادت کو برداشت نہ کر سکتے تھے اور قوم کو مسلسل ہوشیار اور متنبہ کرتے رہتے تھے۔ کبھی براہِ راست اور کبھی استعاروں اور تشبیہات میں۔

داہ جو مونڈے ہوتی ہے، اسی کی عظمت
سب کے سر جھکتے ہیں جب سامنے حجام آیا

کہتا تھا صیاد کر کے روز دانتوں میں خلال
ایک اک تنکا نشیمن کا مرے کام آگیا

شب فرقت رفاقت کو کسی کے تیرہ بختوں کی
کبھی کھٹمل نکلتے ہیں، کبھی پسو نکلتے ہیں

ہمیشہ اک نہ اک دینے نیا آزار بیٹھے ہیں
جہاں بھی صدر بن کر قوم کے غدار بیٹھے ہیں

لگائیں گے یہ بیڑا پار کیا کشتی ڈبو دیں گے
جو قومی ناؤ کھینے تھام کر پتوار بیٹھے ہیں

باغ اگر اجڑا تو پھر بولیں گے اُلّو اس جگہ
ہم صفیر! اچھا نہیں ہے، باغبانوں کو نہ چھیڑ

الکشن ظریف کا خاص موضوع تھا۔ اس پر ان کی مختصر اور طویل نظمیں ہیں۔ طوالت کے خیال سے انھیں نظر انداز کر کے ایک نظم سے صرف دو شعر پیش کئے جاتے ہیں۔

الکشن کے سرکس کو اب دیکھئے گا
کہ ہوتے ہیں کرتب وہاں کیسے کیسے
ہیں تیار لڑنے پر شہ زور پٹھے
پچھیت ان میں ہیں پہلوان کیسے کیسے

اس ضمن میں ان کی ایک معرکہ آرا نظم ایک زمانہ میں زبان زد خاص و عام تھی، ان لوگوں کو اس نظم کا کوئی نہ کوئی حصہ ضرور یاد ہوگا جو ظریف کے دور سے کسی طرح بھی متعلق رہے ہیں۔ الکشن کے بعد ایک طویل نظم "مشاعرہ" پر ہے جس کے دو بند کچھ نہ کچھ ترجمانی کر سکتے ہیں۔

مٹ گیا تانیث اور تذکیر کا جب امتیاز
اب نہ ڈاڑھی ہے نہ مونچھیں اور نہ وہ زلفِ دراز
رفتہ رفتہ بڑھ گیا گر شوقِ ذوقِ نغمہ ساز
شاعر اب آئیں گے محفل میں پہن کر پیشواز
ختم اس فقرہ پہ ہوگی ہر غزل استاد کی
سنئے "میں ہوں جانکی بائی الہ آباد کی"

شکوۂ تعلیم اے ہندوستان بیکار ہے
تو عرب کی جاہلیت کا علم بردار ہے

تھا زباں سے عشق اس کو تو مگر بیزار ہے
شاعری کا تجھ میں ہر اہل دعویدار ہے

تیری اردو نے زمانے بھر کی بازی مات کی
شاعر اسّی فیصدی تعلیم سو میں سات کی

دوسری طویل نظم "سفر نامہ" ہے۔ اس کا شمار بھی ان نظموں میں ہے جو ظریف کو ہمیشہ زندہ رکھیں گی۔ اس سفر نامہ میں ایک مقام پر لکھتے ہیں۔

کچھ ریل گھر کا حال کروں مختصر بیان
وہ نو بجے کا وقت، وہ ہنگامہ کا سماں
قلیوں کا لاد لاد کے لانا وہ پیٹیاں
بجنا وہ گھنٹیوں کا، وہ انجن کی سیٹیاں

گڑبڑ مسافروں کی بھی اک یادگار تھی
عورت پہ مرد، مرد پہ عورت سوار تھی

ٹرین نے انھیں بمبئی پہنچا دیا تو شہر کی نقشہ کشی کرتے ہیں۔

کچھ بمبئی کا حال کروں مختصر بیاں
چوڑی سڑک، دو رویہ کئی منزلے مکاں
ہر سو ملوں کا شہر میں پھیلا ہوا دھواں
ہر ایک ملنے کے لئے دس بیس سیڑھیاں

کمرہ ہر ایک کاٹھ کا پنجرا اسلا ہوا
ہر اک مکیں کھنڈیت ہو جیسے پلا ہوا

پھر جہاز کی باری آتی ہے اور ظریف جہاز کے منظر کو قلم بند کرتے ہیں۔ ان کے سفروں میں ایک دیہاتی زمیندار عراق کے عازم تھے جن کا تعارف ظریف کے الفاظ میں ملاحظہ ہو۔

دو چار اور ساتھ تھے حضرت کے بانگڑو
آتا تھا لطف کانوں کو سن سن کے گفتگو
دیہاتی پن ٹپکتا تھا ہر شے سے مو بمو
ہشو کی طرح سے نگراں تھے چہار سو

مالک کے ساتھ ان کے ملازم تھے اس طرح
گھگھو کے گرد الّو کے پٹھے ہوں جس طرح

مسافر خانہ میں قیام ہوتا ہے تو وہاں کی تفصیلات پڑھنے سے تعلق رکھتی ہیں رات کی کیفیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

سو جائے ساری رات کوئی کیا مجال تھی　　پہرا تھا پسوؤں کا بڑی دیکھ بھال تھی

صبح کے وقت پاخانے کا حال جن الفاظ میں نظم کیا ہے اس کا لطف وہ اٹھا سکتا ہے جس کو کبھی میونسپلٹی کا پاخانہ استعمال کرنے کی نوبت آئی ہو۔

بیٹھا ہے ایک چین سے اک پیٹتا ہے دم　　لوٹا لئے ٹہلتے ہیں، دو اک اِدھر اُدھر
دو اک ہگا سے بلبلے سے دوڑے بھد بھد　　بولا یا ایک آدھ تو ایسا کہ الحذر

القصہ روز مشکل یہ پچھلے پہر سے تھی
کھٹ کھٹ اِدھر سے ہوتی تھی، ہوں ہوں اُدھر سے تھی

متفرق نظموں میں کوئی شعر ایسا نہیں ہے جس سے قاری سرسری طور پر گزر جائے اور جس میں کچھ نہ کچھ ندرت نہ ہو۔ ایک نظم میں اپنے میزبان سے کھانے میں مرچیں زیادہ ہونے کی شکایت کی ہے۔ دو شعر مشتے از خروارے پیش ہیں۔

کہ جسے کھا کے اچھلنے لگے بندر بن جائے
نتھنے بہنے لگیں، منہ لال چقندر بن جائے
شوربہ سونگھ لے گر سانپ تو یونہی رہ جائے
ڈنک پر ڈال دو بچھو کے تو گل کر بہہ جائے

ظریف کے مزاج میں بلاشبہ شوخی، حاضر جوابی، جدّت طرازی اور انداز بیان میں ندرت تھی۔ کہا جا سکتا ہے کہ وہ ہنسنے ہنسانے کے لئے پیدا ہوئے تھے لیکن مقصد تخلیق جو کچھ بھی ہو، اس کو تو خالق ہی جانتا ہوگا۔ ہمارا مشاہدہ تو ان کے بارے میں یہ ہے کہ انھیں ملک و قوم کا جتنا درد تھا اس سے زائد اپنی زبان سے محبت تھی، اور اردو کی مٹھاس پر وہ اکثر خود اپنے ہونٹ چاٹتے رہتے ہوں گے مگر کبھی کبھی یہ مٹھاس انھیں تلخ معلوم ہوتی تھی۔ خصوصاً جب وہ ناسخ کی ساری عمر کی محنت پر پانی پھرتے دیکھتے اور اشعار میں الفاظ ثقیلہ کے غلط استعمال پر بے سمجھے بوجھے لوگوں کو سر دھنتے پاتے تو ان کے کلیجہ میں آگ لگ جاتی۔ وہ ذاتی طور پر غالب کے بہت معتقد تھے، لیکن غالب کی غلط تقلید میں مہمل اشعار ان کی برداشت سے باہر تھے۔ لہٰذا انھوں نے بارہا ایسا کیا کہ اصل غزل کے بعد کچھ شعر بادی النظر میں انتہائی بلیغ مگر درحقیقت لایعنی پڑھنا شروع کئے جو مہمل گوئی پر ان کا بھرپور طنز تھا اور حاضرین کے لئے لطف سے خالی نہ تھا چند اشعار ملاحظہ ہوں۔ ممکن ہے، کوشش کرنے سے ان کے معنی سمجھ میں آجائیں۔

سیر آہنگ طرب ساز مغنیّ ہوگا — نغمہ ور ناخن مضراب بھی یعنی ہوگا
خونچکاں، دشنہ بکف، عربدہ جو، مست خرام — تا حد شوق جنوں روبہ ترقی ہوگا

در پئے رقص متصل زمزمہ رباب تھا
شب کو حریم ناز میں شور صد اضطراب تھا

کاہش ناخن حیات عقدہ کشائے زندگی
موت کے دست شوق میں دامن انقلاب تھا
جام شراب برق ریز، اُف تری گرمی وجود
قلب برشتۂ کباب مرکز التہاب تھا

انا الحق کی صدا تھی اک نشید ساز منصوری
مرے ذرات دل سے نغمۂ یا ہُو نکلتے ہیں
بُرا ہو مرے اعمالوں کا لے برجبیں ناکامی
نشاط زہرہ بن کر آنکھ سے آنسو نکلتے ہیں

یہ ہے ظریف اور ان کی شاعری کا مختصر ترین احاطہ جس میں اگر اتنا اضافہ کرلیا جائے کہ ظریف کے اشعار دوسروں کے معیار فکر کے سامنے کیا درجہ رکھتے ہیں ؟ تو ایک موازنہ کی صورت پیدا ہو جائے گی اور بڑی دشواری یہ آپڑی ہے کہ اس ذیل میں اکبر الہ آبادی کے علاوہ اردو ادب میں اور کسی کا کلام نہیں ملتا۔ اور ظریف کا مقابلہ اکبر سے کرنے میں اندیشہ ہے کہ کہیں اکبر کی بزرگانہ حیثیت کو کوئی ٹھیس نہ لگ جائے۔ اس لئے جو اشعار ہم معنیٰ یا کسی قدر ہم ردیف مجھے مل سکے ہیں ان کو اس حیثیت سے پیش کرتا ہوں کہ اکبر اور دوسرے پیش روؤں کی فنی کسوٹی پر ظریف کہاں تک پورے اترتے ہیں اور مابعد کے فن کاروں نے کس حد تک ظریف کے مکتبۂ فکر سے استفادہ کرنے میں اہلیت کا ثبوت دیا ہے۔ اور اس پر مستزاد یہ امر ہے کہ کیا واقعی ظریف کا کلام اس قابل ہے

ہے کہ انھیں اکبر ثانی کہا جاسکے۔

مٹھی میں کیا دھری تھی کہ چپکے سے سونپ دی
جان عزیز پیش کش نامہ بر غلط، — جلال لکھنوی

خیالی ہجر میں فرضی مریض غم کا مرجانا
یہ سب کیا ہے، سلامت جھوٹ کے پُل سے اتر جانا — ظریف

ہو نہیں سکتا جو تم سے درد فرقت کا علاج — تم کو کس الو کے پٹھے نے مسیحا کردیا
بوم

کس قدر زندہ کئے، کتنوں کو اچھا کردیا — تم مسیحا تھے بھی یا تم کو مسیحا کردیا
ظریف

ہمیں رشک آئے اپنے سے ہمیں سے غیر پیدا ہو
ہم ایسے دو نظر آئیں، اگر معشوق احول ہو — قزاق

تری ترچھی نظر ہونے سے تیری قدر دونی ہے
جو دو عاشق بھی ہوں تو جانتا ہے چار بیٹھے ہیں — ظریف

فیشن یہ چاہتا ہے کہ یہ بھی نہ رہ سکے
تھوڑا بہت جو فرق ابھی مرد و زن میں ہے — فگار

منڈا کر ڈاڑھی مونچھیں مادہ رو ہونے پہ مصر ہو
مونث دیکھنے میں ہو، حقیقت میں مذکر ہو — ظریف

رُخ مری سمت طرف غیر کے دزدیدہ نگاہ
ہت ترے چوٹے دلدار کی ایسی تیسی — نامعلوم

ادھر تو دیکھئے قربان دزدیدہ نگاہوں کے
جہاں چوری ہوئی سب آپ ہی کا نام لیتے ہیں — ظریف

کبھی تقصیر جس نے کی ہی نہیں
ہم سے پوچھو تو آدمی ہی نہیں — اسمٰعیل میرٹھی

کہیں ہم نیک کو انساں کیونکر
بشر (بہ بشر) وہ ہے کہ جسکے ساتھ شر ہو — ظریف

انگلینڈ سے اپنا دل جو لایا نہ درست
محروم اِدھر اُدھر سے بیگانہ ہوا — اکبر

مغرب کے مقلد کا گردش میں ہے پیمانہ
دونوں سے رفو چکر کعبہ ہو کہ بُت خانہ — ظریف

جی نہیں چاہتا جانے کو مرا سوئے حجاز
چاہتا ہوں کہ ولایت میں پہنچ جائے جہاز — نامعلوم

گناہ ہے حج و تیرتھ بحکم دورِ جدید
طواف شملہ و لندن ہے فرض سالانہ — ظریف

فکرِ دنیا نے بھلایا سب وہ قرآن و حدیث
مولوی بھی محوِ قانون و نظائر ہوگیا — اکبر

مولوی قیس کا وہ یادِ رخِ لیلیٰ ہیں
محوِ دیباچۂ گلزار دبستاں ہونا — ظریف

رنگ چہرے کا تو کالج نے بھی رکھا قائم
رنگِ باطن میں مگر باپ سے بیٹا نہ ملا — اکبر

ہے احترامِ بزرگی منافیٔ تہذیب
اسی کا نام ہے آزادیٔ بہیمانہ — ظریف

انھیں شوقِ عبادت بھی ہے اور گانے کی عادت بھی
نکلتی ہیں دعائیں ان کے منہ سے ٹھمریاں ہوکر — اکبر

ہو سکے تو بھیرویں میں صبح کی پڑھیے نماز
راگنی کافر ہے اس کو یوں مسلماں کیجئے — ظریف

عشق کا بھی ذوق دینداری کی شہرت کا بھی شوق
آپ میوزک ہال میں قرآن گایا کیجئے — اکبر

طائرانہ اک نظر اس پر بھی ہونا چاہیئے
آپ اپنی رائے سے تفسیرِ قرآن کیجئے — ظریف

فلک کی گردش کے رنگ ہیں یہ کہ ہم جھکے ہیں توں آگے
خدا کی قدرت کے ہیں کرشمے، عرب نے ناز عجم اٹھایا — اکبر
جے کہتے ہو گاندھی کی جس وقت مسلمانو!
اسلام کے ماتھے پر قشقہ نظر آتا ہے — ظریف

کیسی نماز ہال میں ناچو جناب شیخ
تم کو خبر نہیں کہ زمانہ بدل گیا — اکبر
ہے مہدی سے موڈی۔ رام بل سے ہو گئے رمیبل
قلابازی کچھ ایسی کھا گئے، نام ونشاں پلٹے — ظریف

شوق لیلائے سول سروس نے مجھ مجنوں کو
اتنا دوڑایا لنگوٹی کر دیا پتلون کو — اکبر
پکڑ کر کان اپنا درس گاہ عشق میں عاشق
ہزار دل بار اٹھے ہیں، ہزاروں بار بیٹھے ہیں — ظریف

مغربی ذوق ہے اور وضع کی پابندی بھی
اونٹ پر بیٹھ کے تھیٹر کو چلے ہیں حضرت — اکبر
کچھ ایسے رشک مسیحا کا اعتبار نہیں
خطا معاف گدھے پر بھی جو سوار نہیں — ظریف

مکہ تک ریل کا سامان ہوا چاہتا ہے
اب تو انجن بھی مسلمان ہوا چاہتا ہے — اکبر

جب اسٹیشن کے باہر ریل گاڑی ہمنشیں نکلی
سوا انجن کے کس کے منہ سے آہِ آتشیں نکلی — ظریف

تصوف کے بیاں کو ہوش نے روح آشنا پایا
معانی کچھ نہ سمجھا، پر قیامت کا مزا پایا — اکبر

تمہارا مصحفِ رخ یاد کرنے والے اندھے ہیں
کہ قرآں حفظ اکثر کو مادر زاد کرتے ہیں — ظریف

آدمیت اور شے ہی علم ہے کچھ اور چیز
لاکھ طوطے کو پڑھایا پر وہ حیواں ہی رہا — نامعلوم

بے عمل عالم اگر ساری کتابیں چاٹ جائے
آدمی تو بن نہیں سکتا وہی جھینگر ہے — ظریف

اب جوانی کی کہاں وہ کود پھاند
پہلے چہرہ چاند تھا، پر اب ہے ماند — اکبر

آئی پیری اڑ گیا چہرہ کا سب کندن سا رنگ
دیکھ لی صنعت ترے حسن ملمع ساز کی — ظریف

پپیہے پکارا کیئے پی کہاں
مگر وہ پلیڈر سے لیڈر ہوئے — اکبرؔ

خوشی ہے سب کو کہ آپریشن میں خوب نشتر یہ چل رہا ہے
کسی کو اس کی خبر نہیں ہے کہ مریض کا دم نکل رہا ہے — اکبرؔ

قوم میں دم نہیں اور قوم کے لیڈر بشاش
جیسے گدھ ہوتے ہیں خوش دیکھ کے لاوارث لاش
واہ کیا بات ہے اے قوم کے بچو شاباش
سہل سے دو ہی یہ نکلے ہیں پئے فکرِ معاش
زر کمانا ہے تو پڑھ لکھ کے پلیڈر بن جاؤ
جب وکالت نہ چلے قوم کے لیڈر بن جاؤ — ظریفؔ

مال گاڑی پہ بھروسہ ہے جنھیں اے اکبرؔ
ان کو کیا غم ہے گناہوں کی گرانباری کا — اکبرؔ
حشر میں جائے گا ہر شخص قلی کی صورت
سر پہ لادے ہوئے اعمال کی گٹھری ہوگا — ظریفؔ

فٹن نفیس سڑک خوشنما ڈنر ہر شب
یہ لطف چھوڑ کے حج کا سفر، یہ خوب کہی — اکبرؔ

اذان سن کر کریں مسجد کا رخ یہ ہو نہیں سکتا
گھروں سے اپنے سن کر ریل کا بھونپو نکلتے ہیں — ظریف

اس اکھاڑے میں اڑنگے دیکھ کر قانون کے
شیخ نے تہمد سے ہجرت کی طرف پتلون کے — اکبر
یہ اچھی دل لگی سوجھی جنوں فتنہ ساماں کو
میانی تک بڑھا کر لے گیا چاک گریباں کو — ظریف

پاجامہ بھی یونہی ارتقا سے بدلا
سمٹا ابھرا، غرضکہ پتلون بنا — اکبر
میز پر کھول کے رکھ دینا وہ ٹائی کالر
وہ یہ تہذیب مرا چاک گریباں ہونا — ظریف

پہنا دے سایہ مری جاں اتار کر شلوار
زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ بساز — اکبر
فیشن کی محبت میں ہرگز نہ گوارا کر
تقلید زنانوں کی اے ہمت مردانہ — ظریف

تعلیم لڑکیوں کی ضروری تو ہے مگر
خاتون خانہ ہوں، وہ سبھا کی پری نہ ہوں — اکبرؔ

چراگاہ کونسل کی رونق ہیں دونوں
مسیحا کی بھیڑیں، کنہیّا کی گیّاں — ظریفؔ

اکبرؔ اور ظریفؔ کی عمروں میں کم و بیش پچیس سال کا فرق تھا۔ اس لحاظ سے ظریفؔ کی شاعری اکبر کے فنی شباب کے دور سے شروع ہوتی ہے۔ اور یقینی طور پر ظریفؔ نے اس یگانۂ روزگار شاعر کے کلام کا گہرا مطالعہ کیا ہوگا۔

مانا کہ اکبرؔ سے قبل متقدمین میں انشا، جرأت اور جعفر زٹل جیسے کتنے ہی شاعر گزر چکے تھے پھر بھی ظریفؔ کو اپنے میدان کے لئے اکبر سے زائد کسی سے روشنی نہ مل سکتی۔ اور یہی سبب ہے کہ ظریفؔ نے جہاں کہیں اکبرؔ کے موضوعات پر قلم اٹھایا ہے، وہاں لب و لہجہ کے فرق سے ملتی جلتی بات کہی ہے اور زبان و بیان کے لحاظ سے اپنی انفرادیت قائم رکھی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اکبرؔ کی شخصیت کی اوّلیت ظریفؔ کو ثانوی درجے سے آگے بڑھنے نہ دے۔

اور ظریفؔ نے کبھی اکبرؔ سے ہم چشمی کا دعویٰ بھی نہیں کیا — شاید ان کی روایتی تہذیب کا تقاضا بھی یہی تھا کہ اگر اپنا علیحدہ راستہ بنانا ناگزیر ہو تب بھی بزرگوں کے نقش قدم کو نظر انداز نہ کیا جائے۔ یہی ایک اصول اکبرؔ کے سامنے ظریفؔ کی جداگانہ حیثیت کو متعین کرتا ہے اور ظرافت کے مخصوص مسلک کے لئے ظریفؔ کی حیات دائمی کی ضمانت ہے۔

پہلا حصّہ

مزاحیہ
اور
اِصلاحی
غزلیں

(۱)

الجھتا ہے جو دامن سے کوئی کانٹا بیاباں کا
دکھاتا ہے اُسے ٹھینگا الٹ چاک گریباں کا
اٹھا ہیں آسماں چھپر کی صورت سر پہ دیوانے
جو دے ایک بانس کا لگا الف چاک گریباں کا
اڑائے دشت وحشت یوں مرے دامن کا کنکوا
گریباں کانپ ہو ٹھڑا الف چاک گریباں کا
جو ہیں لیلےٰ کو ڈانٹا مولوی صاحب نے مکتب میں
گھما کر قیس نے مارا الف چاک گریباں کا
یہی دن بھر رٹا کرتا تھا مجنوں جا کے مکتب میں
الف چاک گریباں کا الف چاک گریباں کا

---

(۲)

دل وحشی ہمارا مقبرہ ہے قیس کی ماں کا
شگاف، قبر کہنہ ہے نشاں چاک گریباں کا

نکلتا جس گلی کوچے سے ہے اب قیس بیچارہ
چڑھاتے ہیں اُسے لونڈے "ابے چاک گریباں کا!"

بہت گھوما گیا پرکار ٹانگیں چیر کر اپنی
پتہ پایا نہ لیکن مرکزِ چاک گریباں کا

ہوا مردوں کو دھوکا دامنِ محشر پھٹا شاید
ہوا کچھ ایسا جھرّاٹا مرے چاک گریباں کا

(۳)

گڑا ہے عرش پر جھنڈا مری طبع سخنداں کا
لوائے حمد کی چھڑ ہے قلم میرے قلمداں کا

بندھا ہے عہد یہ دستِ جنونِ فتنہ ساماں کا
کہ دامن سے کروں گا آج گٹھ بندھن گریباں کا

میاں مجنوں کو اتنا ہوش تھا دیوانگی میں بھی
پکڑ لیتے تھے دُم کو، اونٹ لیلیٰ نے جہاں ہانکا

(۴)

بیڑی سے دل عشاق کے نکلے گی وہ گیس
جس میں کچھ مادہ برق تجلی ہوگا

تم ہوا کھانے تو نکلے ہو مگر یاد رہے
بھر گیا پیٹ تو کس طرح سے خالی ہوگا

ہوں گے تربوز کے گودے کی طرح وہ آب آب
چہرہ پوڈر سے اگر ان کا گلابی ہوگا

رازداری سے خدا کے لئے باز آئیں آپ
پیٹ پھوٹے گا کوئی راز جو مخفی ہوگا

(۵)

(بقافیۂ ہندی)

پاس اس کے ترا رومال جو لیلیٰ ہوگا
قیس باندھے ہوئے صحرا میں لنگوٹی ہوگا

بھائی یوسف کے زلیخا کو یہ سمجھاتے تھے
آپ بھیا کا نہ غم کیجئے بھابھی، ہوگا!

نقد دل ہار گیا بیٹھ کے محفل میں اگر
آپ کا عاشق نادار جواری ہوگا

دل کے لٹو کو نچاتا جو پھرے زلفوں میں
ایسا معشوق میاں کوئی مداری ہوگا

پاؤں سے اپنے بٹھا دے جو مزارِ عاشق
وہ تو معشوق نہ ہوگا کوئی ہاتھی ہوگا

پوچھتا ہے کوئی اُنسے جو الفیس کو سرِراہ
وہ گھر کتے ہیں کہ تو کون ہے کوئی ہوگا

شیخ جی آؤ میں کھیلیں گے بطے کا شکار
جلوۂ ریش فقط دھوکے کی ٹٹی ہوگا

جو اتر جائے سلامت تری تلوار کے گھاٹ
مچھلی والا وہ کوئی ہوگا کہ دھوبی ہوگا

ندیاں دودھ کی فرہاد بہاتا تھا اگر
ہم تو یہ جانتے ہیں قوم کا گھوسی ہوگا

حشر میں جائے گا ہر شخص قلی کی صورت
سر پہ لادے ہوئے اعمال کی گٹھری ہوگا

ایسے معشوق سے نفرت نہ ہمیں کیوں ہو ظریف
جب وہ مشہور ہے جلاد تو بھنگی ہوگا

(۶)

دہن یار تو دُرج و دُرِ غلطاں نکلا — لی جو بٹوے کی تلاشی تو نہ ٹیاں نکلا

لے دو پسلی کا کھلونا یہی ضد کرتا تھا — گو دمیں لے کے جو مجنوں کو بیاباں نکلا

زال دنیا کی ہمیں زلف رسا یاد آئی — عید کے دن جو کوئی لیکے سویاں نکلا

کھا کے وحشت میں قلابازی پھٹے جب کپڑے — جیب میں ہاتھ جو ڈالا تو گریباں نکلا

قیس کی ماں کا مگر پیٹ بھی تھا وادی نجد — کہ جب اس میں سے یہ نکلا ہے تو عریاں نکلا

(۷)

کوشش ہوا ٹھانے کی تو کیوں کرنہ اٹھے گا
نیچے نہیں ہیں آپ جو خنجر نہ اٹھے گا

اغیار کی شرکت سے اٹھانا بھی گراں ہے
ہم سے تیرے احسان کا چھپّر نہ اٹھے گا

لکھتا ہے ظریف ان کے مٹاپے کا اگر حال
خط جلئے گا کس طرح جو سر پر نہ اٹھے گا

(۸)

میں بھی تو اک ذریعہ ہوں افشائے راز کا
دامن یہ کہہ رہا ہے کسی پیشواز کا

ہے آسماں زمین کی جانب جھکا ہوا
گویا یہی رکوع ہے اس کی نماز کا

مستقبل کے پیٹ سے آتی ہے یہ صدا
میں اک قرابہ ہوں عرقِ خانہ ساز کا
شیطاں کی جو آنت سے ہوتا مقابلہ
کھل جاتا حال آپ کی زلف دراز کا
طولانی اس قدر ہے ظریف آہِ نارسا
مستول جیسے ہو کسی بادی جہاز کا

چار ہی حرفوں میں سارا شکوۂ جانانہ تھا
اور بھی کرنا ہجر میں اک مختصر افسانہ تھا
مجمع عشاق میں جو تھا سڑی دیوانہ تھا
گھر کسی کا کیا تھا اچھا خاصا پاگل خانہ تھا
میکش خمیازہ کش گویا ترا کلھیا سامنے
بادہ پیمائی کے خاطر قدرتی پیمانہ تھا
لے چلا نخاس میں پیر مغاں جب بیچنے
بوتلوں کا ٹوکرا چلتا ہوا میخانہ تھا
آہو چشم آکے آخر کیوں نہ اس کو چر گئے
جب خط رخسارِ جاناں سبزۂ بیگانہ تھا
خالی خولی مجمعٔ عشاق تھا حقہ نہ پان
واہ اچھا انتظام محفل جانانہ تھا

وقت پیری طالبانِ دید کا مجمع کہاں
جائے عبرت ہے کہ "بی بستی" کا گھر ویرانہ تھا

ناقۂ لیلیٰ نے مستی میں جڑی مجنوں کے لات
یہ شترِ غمزہ برنگِ لغزشِ مستانہ تھا

میکشِ نادار پہنچا میکدے میں اس طرح
پاؤں میں جوتا نہ تھا، پر ہاتھ میں پیمانہ تھا

وقت پیری رال جب منہ سے بہی، ثابت ہوا
کیوں نہ چھلکے، عمر کا لبریز جب پیمانہ تھا

سینکڑوں کو ایک ہی گردش میں گھائل کر دیا
چشمِ جاناں کیا بنیٹھی تھی کوئی پابانا تھا

چار پیسے والا کہتے ہیں اسے ہم بھی ظریف
جب تمہارے عاشقِ مفلس کے پاس ایک آنہ تھا

(۱۰)

میاں مجنوں ہوں چاہے کوہکن ہوں دونوں خبطی تھے
کسی کا کچھ بھی ان سے خاک بہتر ہو نہیں سکتا

جٹادو گر کہیں سلی تو سارا بانکپن غائب
کسی کا ابروِ خمدار حنجر ہو نہیں سکتا

کہا معشوق کو قاتل، تو بھنگی کیوں نہیں کہتے
یہ کیا جلاد ہو سکتا ہے مہتر ہو نہیں سکتا

ظریف آئینہ ڈیگر ڈاروِن صاحب کو سمجھا دو
نہ ہو جب تک شریر انسان بندر ہو نہیں سکتا

(۱۱)

تیرے رہنے کو مناسب تھا کہ چھپّر ہوتا — کہ نہ چوکھٹ تیری ہوتی نہ میرا سر ہوتا
قسمت نجد کا اگر قیس کمشنر ہوتا — لیڈی لیلیٰ کی ہوا خوری کو موٹر ہوتا
غیر مل جل کے اٹھا لیتے کہ تھے بے غیرت — گو پہاڑ آپ کے احسان کا چھپّر ہوتا
بات الٹی ہے کہ رفتار سے مردے جیتے — بوٹ چلتے ہیں جو اُس شوخ کا جرم ہوتا
تالیاں ہم بھی بجاتے ترے کوٹھے کے قریب — کسی الّو کا اگر رات کو لکچر ہوتا
قیس کو مارتے کیوں نجد میں لونڈے لاڑی — وہ اگر مدرسۂ عشق کا ٹیچر ہوتا
پیش کرتا رزولیوشن کہ حسینوں پہ ہو ٹکس — میں کبھی میونسپلٹی کا جو ممبر ہوتا

لکھنؤ سے شب یکشنبہ بریلی آتے
پاؤں میں گر نہ ظریفؔ اپنے سنیچر ہوتا

(۱۲)

جنوں میں کیوں چلا میں دوڑ کر پھولا جو دم میرا
حماقت کی نشانی بن گیا نقشِ قدم میرا
میاں فرہاد و مجنوں شیخ چلی ہیں جو لڑتے ہیں
یہ کہتے ہیں عرب میرا وہ کہتے ہیں عجم میرا
ارے داتا اُسے بھرنا نہ بھرنا کام ہے تیرا
مگر کشکول سائل سے مشابہ ہے شکم میرا

(۱۳)

کیا کرتے ہیں استعمال جو کھانے میں پاپڑ کا
رہا کرتا ہے ان کے پیٹ میں اک شور گڑبڑ کا

ان انگریزوں نے بھی مجرم کی کیا پہچان رکھی ہے
نشاں مٹتا نہیں ہے بید کے پڑنے سے چوتڑ کا

سمجھ لو شام ہے اڑتے نظر آئیں جو بڑباگڑ
جو بولے مرغ ککڑوں کوں تو سمجھو ہو گیا تڑکا

(۱۴)

فلک نما ہے بلندی میں آبلہ دل کا
جواب شیش محل ہے دو منزلا دل کا

چلو چڑھائیں حسینوں کے طاق ابرو میں
جو پک پکا کے ہو تیار گُلگُلا دل کا

حوادثات کی چپتیں بہت کرای ہیں
کہیں دماغ نہ ہو جائے پلپلا دل کا

ظریفؔ حشر میں ہو گی تلاشی اعمال
فرشتے کھول کے دیکھیں گے پوٹلا دل کا

(۱۵)

نیرنگ حسن و عشق میں جوڑا یہ فرد تھا
لیلیٰ سیاہ فام تھی اور قیس زرد تھا

اولے پڑے تھے کیا میرے صحرائے قلب میں
جھونکا ہوائے آہ کا آیا تو سرد تھا

پہلے تمام قصۂ یوسف سنا کئے
پھر پوچھتے ہیں زن تھی زلیخا کہ مرد تھا

اس میں کسی کے باپ کا کہئے اجارہ کیا
نوشیرواں کا پوتا اگر یزدِ جرد تھا

غم کھا چکا تھا شب کو مچائی جو ہائے ہائے
ظاہر ہوا کہ پیٹ میں عاشق کے درد تھا

(۱۶)

گزرا سن شباب تو پھر کون پوچھتا
اب ترک ان سے رسم قدیمانہ ہو گیا

افلاس جب سے چھا گیا اُس شاہ حسن پر
عشاق کا مذاق رئیسانہ ہو گیا

قاصد کی کوئی بات بھی اب پوچھتا نہیں
محصول خطِ شوق کا آدھ آنہ ہو گیا

عشاق کھا رہے ہیں قلابازیاں تمام
سرکس کا کھیل جلوۂ جانانہ ہو گیا

عشاق میں ہے آپ کے الّو کی خاصیت
بیٹھے یہ جس جگہ وہیں ویرانہ ہو گیا

مدت کے بعد دخترِ رز ہم سے مل گئی
پھر منچلوں سے رشتہ سالانہ ہو گیا

رحمت ہے میکشوں پہ عجب کارسازکی
کلھیا سامنے ضعیفی میں پیمانہ ہو گیا

لائے گئے ظریف یہاں ہم کشاں کشاں
گویا مشاعرہ نہ ہوا تھانہ ہو گیا

مجنوں کا جو اے لیلیٰ جوتا نہ پھٹا ہوتا
پیچھے ترے ناقے کے کیوں برہنہ پا ہوتا

بے فائدہ غل مچتا کیا جانئے کیا ہوتا
گر ان کی گلی ہوتی اور میرا گلا ہوتا

کھجلی سی نہ کیوں اٹھتی میخواروں کے ہاتھوں میں
واعظ کا سرِ اقدس گر خوب گھٹا ہوتا

ہوتا اگر آدم کا دنیا میں کوئی بھائی
نسل بنی آدم کا واللہ چچا ہوتا

گر قیس کی وحشت کا کچھ اونٹ اثر لیتا
لیلیٰ کو گرا دیتا اور بھاگ کھڑا ہوتا
خارِ رہِ غربت جب ٹھینگے اسے دکھلاتے
وحشی ترا صحرا میں انگشت نما ہوتا
ناحق سگِ جاناں سے اک چھین جھپٹ ہوتی
اُلّو تھا اگر مائل ہڈی پہ ہما ہوتا
مفلس سے زیادہ تر منعم ہی گرسنہ ہیں
کیوں روز ہوا کھاتے گر پیٹ بھرا ہوتا

(۱۸)

سبزۂ خط کے نکل آنے سے بدتر ہو گیا
چہرۂ معشوق اب ادنیٰ سلیپر ہو گیا
خط میرا لیتے ہی بیچارے کو مرگی آگئی
میرا قاصد کیا ہوا لوٹن کبوتر ہو گیا
ان کی مٹھی میں کبھی سینے کے پنجرے میں دبا
دل میرا آدھا بٹیر اور آدھا تیتر ہو گیا
قیس پاگل تھا علاقہ نجد کا کورٹ ہوا
اور اس میں آپ کا عاشق مینجر ہو گیا
لوگ کہتے ہیں کہ مجنوں گو شریف القوم تھا
عمر صحرا میں بسر کرنے سے کنجر ہو گیا

لکھنؤ سے بُدھ کو چندرہ پور تک آئے ظریف
تین دن پہلے سے پیروں ہی سینیچر ہو گیا

(۱۹)

جن دنوں دل میں سیاسی ولولوں کا جوش تھا
بے تکلف ہر حسینِ شوخ کھدر پوش تھا
تار گھر میں کون سنتا عاشقِ نادار کی
بیٹھ کے کرسی پہ ہر بابو سراسر آسو توش تھا
تھا وہ کچھوا جس نے طے کی رفتہ رفتہ راہِ شوق
خوابِ غفلت میں بسر کی جس نے وہ خرگوش تھا
ڈاکیوں میں تھا ملازم آپ کا عاشق مگر
حشر میں جس وقت پہنچا پارسل بردوش تھا
عمر اس کمبخت کی آوارہ گردی میں کٹی
پیرِ گردوں ابتدا سے طفل بازی گوش تھا
اُس طرف ساغر لیے تھا ہاتھ میں ساقی ظریف
اِس طرف کلھیا سامنے کھولے ہوئے مے نوش تھا

(۲۰)

تیمور نے لنگڑا نہ بنارس سے منگایا — کیوں سامنے ہمنام کے ہمنام نہ آیا
پھر تا بقدم زلف رسا کیوں نہ پہنچتی — جب ان کے عقیقے میں بھی حجام نہ آیا

(۲۱)

درد جگر کا سوزِ الفت میں جب مزا تھا
ان کو بخار آتا میرے طحال ہوتا

جا کر مریض الفت آخر کہیں تو رہتے
ان کا مکان ہوتا یا اسپتال ہوتا

مجنوں پر لوگ دیتے فرہاد کو فضیلت
شیشے پہ کوہ کن کا گر انتقال ہوتا

مٹھی سے پھر نکل کر دُزدِ حنا نہ جاتا
معشوق تو نہ ہوتا گر کوتوال ہوتا

آب و ہوائے فطرت چولا اگر بدلتی
بطخ حرام ہوتی کوّا حلال ہوتا

(۲۲)

نجد سے لیلیٰ کو لے بھاگا یہی الزام تھا
اونٹ بیچارہ اسی سے شہر میں بدنام تھا

کون معلومات علمیہ میں کرتا ہمسری
اس کی ماں عالمہ تھی اور وہ بڑا علام تھا

دیکھ کر وہ چھاج سی داڑھی جناب شیخ کی
مجھ کو یہ دھوکا ہوا گملے کے اندر پام تھا

استرا ایک ہاتھ میں تھا آئینہ کے منہ
وہ بت خود کام اپنا آپ ہی حجام تھا

ترش باتوں کا بھی دونگا میٹھی باتوں سے جواب
وہ اگر املی کہیں گے میں کہوں گا آم تھا

ناقہ جب بھاگا تو بھاگا نجد سے قبیلے کی سمت
دم کے پیچھے قیس تھا آگے خدا کا نام تھا

اک چراغ دل کے بجھنے سے ہوا کل جسم سرد
عاشق خوں گرم دلی کا گرم حمام تھا

(۲۳)

صاجیت سے زباں بگڑی یہ الزام آیا
منہ میں ان کے سور آیا کبھی گڈام آیا

شمع کے پاس جو پروانہ سر شام آیا
خود کشی کرنے کا بیچارے پر الزام آیا

جب مسلسل ہوا اظہار پریشانی زلف
یار کے سر پہ بھی افلاس کا الزام آیا

عہد تیمور میں لنگڑا جو بنارس سے گیا
غل تھا دربار شہنشاہ میں ہم نام آیا

بھاگا مقتل سے بچی جان ہزاروں پائے
آج اپنا دل ناکام بڑے کام آیا

؛اہ جو مونڈے ہوتی ہے اسی کی عظمت
سب کے سر جھکتے ہیں جب سامنے حجام آیا
اب اُسی رنگ کے اشعار سناؤں دو چار
میں گنہ گار جو مطلب کا کہیں نام آیا
محشرستان جنوں میں دلِ ناکام آیا (مہمل)
نامہ ہنگامہ نوازی پہ سرِ شام آیا
برق کی شعلہ نوازی سببِ طولِ حیات
فطرت موت تری زیست کا ہنگام آیا
توسنِ عمرِ گریزاں کی سبک رفتاری
کام دیتی نہیں جب موت کا پیغام آیا
مرکزِ روح یہ ہے کشمکش موت و حیات
پھر بھی وارفتگیٔ شوق پہ الزام آیا
طور سے اک کشش مشق تھی صورت گرِ شوق
تجھ پہ اے وادیٔ ایمن عبث الزام آیا

(۲۴)

تناسخ ہے جنم لینا ادھر آنا ادھر جانا
ہزاروں بار جی اٹھنا ہزاروں بار مر جانا
خیالی ہجر میں فرضی مریضِ غم کا مر جانا
یہ سب کیا ہے؟ سلامت جھوٹ کے پل سے اتر جانا

دولتی سے سمندِ ناز کی عاشق کا مرجانا
یہی تو ہے طویلے کی بلا بندر کے سر جانا
رخ روشن کی جھری حسن کا گویا ٹھٹھر جانا
قیامت ہے کسی معشوق کا سن سے اتر جانا
مری آہوں کی توپوں کا وہ خالی خولی سر ہونا
وہ ان کا لاٹ صاحب کی طرح غیروں کے گھر جانا
مجھے تو راستہ چلتے ہیں بھی اب خوف آتا ہے
سنا ہے جب سے مرجانیکو کہتے ہیں گزر جانا
وہ ضبط آہ سے عاشق کی بے چینی معاذاللہ
وہ اکثر کروٹیں لینا وہ پیٹ اس کا ابھر جانا
مہذب چوٹا پن ہے یہ معشوق خیالی کا
کہ دزدیدہ نگہ سے دل کا لینا اور مکر جانا
مریض ہجر پر فالج کا گرنا سرد مہری سے
وہ آخر تختۂ مشق اطبا کا بر رجانا
جو آنا رتجگے میں گُلگُلے مضمون کے لے کر
ظریف اچھا ہے اردو شاعری کا طاق بھر جانا
بھگانا دیکھ کر سرپٹ وہ اس کا اپنے ناقے کو
میاں مجنوں کا چلّانا کہ "بی لیلیٰ ٹھہر جانا!

(۲۵)

شادی ہوئی کسی کی تو وہ شاد ہوگیا
سسر کی بیٹی بیاہ کے داماد ہوگیا

ہندو نہ کسی طرح سے ہوں اس لفظ پر خفا
جب بار بار سب کہیں برباد ہو گیا

کہتے تھے جس کو لوگ چڑیمار ہند میں
ملک عرب میں جاتے ہی صیاد ہو گیا

مجرم سے کہہ رہے تھے یہ اک دن مجسٹریٹ
وِل تم کو تین ہفتے کا میعاد ہو گیا

شاگرد سے خلیفہ ہوا اس سے جب بڑھا
مشہور سب میں بس وہی استاد ہو گیا

سمجھے گا اینٹو شورشِ پنہانِ اہلِ دل
بیدادگر کے خوب ہوا داد ہو گیا

(۲۶)

پیٹ پکڑے ہوئے عشاق کا وہ ماں ہونا
اور وہ نالہ و فریاد کا جڑواں ہونا

قہر ہے جا کے پلٹنا نہ مرے نالوں کا
دونوں کانوں کا ترے بھول بھلیاں ہونا

مولوی قیس کا وہ یادِ رخِ لیلیٰ میں
محوِ دیباچۂ گلزار دبستاں ہونا

یوں ہی وابستہ ہے عاشق کی خوشی زلفوں سے
جس طرح عید میں تقسیم سوّیاں ہونا

مانگتے بھیک تو زلفوں کو نہ دیکھا ہم نے
شعرا باندھتے ہیں اُن کا پریشاں ہونا

وہ منڈائے ہوئے سر وصل میں آنا ان کا
مختصر قصۂ طولِ شبِ ہجراں ہونا

یا تو کپڑے بھی پنہا کر کبھی دکھلا دو ہمیں
یا تو باندھا نہ کرو شمع کا عُریاں ہونا

ماسبقاں وہ درِ یار پر پڑھنا میرا
ان کے چہرے کا وہ غصّے سے گلستاں ہونا

میز پر کھول کے رکھ دینا وہ ٹائی کالر
وہ بہ تہذیب میرا چاک گریباں ہونا

یہ تو انکار نما شکل اک اقرار کی ہے
آپ کی سمت سے ہر بات پہ "جی ہاں" ہونا

بال پڑنا دل عشاق کے آئینے میں
ہے ترا سبزۂ رخسار نمایاں ہونا

(۲۷)

بے خبر سوئے جو عاشق مفت الزام آگیا
ساتھ خراٹوں کے لب پر آپ کا نام آگیا

کیوں نہ ہو بیکھوں بھری زلفوں میں مرغ دل اسیر
چاہیئے کیا اور دانہ آگیا دام آگیا

آنکھ کھولے بزم میں تھا ساقی گردن بلند
بادہ کش سب سمجھے صراحی آگئی جام آگیا

قوت نظارہ سمجھیں یا اُسے تمکینِ حسن
پھٹ پڑا پھچا جہاں وہ بت لبِ بام آگیا
جب گریباں کی جگہ تہذیب سے کالر نے لی
ساتھ ہی بند قبا کی جا پہ بوتام آگیا
رات بھر عشاق الٹے خواب میں لٹکے رہے
دل کا چمگادڑ جو زلفوں پر سرِ شام آگیا
کہتا تھا صیاد کر کے روز دانتوں میں خلال
ایک ایک تنکا نشیمن کا مرے کام آگیا

(۲۸)

گونددانی وقت پر ملتی نہیں ہمپر کھلا
نامہ لاتا ہے وطن سے نامہ بر اکثر کھلا
یار نے الٹی رخِ روشن سے جالی کی نقاب
اور میں سمجھا دکان حُسن کا شٹر کھلا
اک سمندر ناز جب دوڑا دولتی جھاڑتا
میں یہی سمجھا طویلے سے کوئی خچر کھلا
پاسباں کوئی نہ ہو جب کیوں نہ پھر گھس جائیں ہم
مثلِ غالب یار کا دروازہ پائیں گر کھلا
اس قدر ہے مختصر چادر معیشت کی ظریف
پاؤں پھیلائے فراغت کے لئے تو سر کھلا

(۲۹)

بگولے ناچتے تھے نجد میں اور قیس عریاں تھا
یہ سب کیا تھا فقط لیلیٰ کی دلچسپی کا ساماں تھا
مرا دل ڈاک بنگلہ اور تصور خانساماں تھا
خیالِ یار جنٹلمین کی صورت سے مہماں تھا
جنوں ایک شعبدہ تھا میرے خاک اڑتے ہوئے دل کا
کبھی گھر تھا بیاباں میں کبھی گھر میں بیاباں تھا
ابھی فرہاد تو تھا بھوٹیا اور قیس تھا کنجڑ
وہ رہتا تھا پہاڑوں پر مکاں اس کا بیاباں تھا
مذاکر ہو گیا اب فارغ البال ان کی الجھن سے
مرا معشوق زلفوں سے بہت اپنی پریشاں تھا
مقدس کیوں نہ جانیں اس کو ہندو مولوی صاحب
گو مُتر آپ سمجھے ہیں جسے وہ آبِ حیواں تھا
ظریفؔ اس کو طلسمِ بحرِ ہستی کیا نظر آتا
جو عاشق ان کا چھوے کی طرح سر در گریباں تھا

(۳۰)

حسن کی دنیا میں اک اندھیر برپا کر دیا
عشق نے جس دن سے بی لیلیٰ کو لیلہ کر دیا

تم کو جھنڈے پر چڑھا کر اور رسوا کر دیا
عشق نے یہ کام بھی لگے میں لگا کر دیا

کس قدر زندہ کیے کتنوں کو اچھا کر دیا
تم مسیحا تھے بھی یا تم کو مسیحا کر دیا

کھاتے پھرتے ہیں قلابازی فراق یار میں
عشق کو لوگوں نے سرکس کا تماشا کر دیا

صدقے اس فیشن کے کیا کہنا حسینانِ فرنگ
پٹے رکھ کر حسن کو تم نے لفنڈرا کر دیا

تربت عشاق پر آئے تو ماریں ٹھوکریں
الٹے شکوہ کر رہے ہیں وہ کہ لنگڑا کر دیا

اک سمندِ ناز کو تحسین کے میدان میں
شاعروں نے اتنا دوڑایا کہ لنگڑا کر دیا

ہو گیا بیوپار دو کوڑی کا اسدن سے ظریف
بند لینا جب سے ان بنیوں سے دھیلا کر دیا

(۳۱)

دال دھوئی ماش کی کھاتی ہے نازک خوئے دوست
"بالش و بستر سے محشر آ رہی ہے بوئے دوست"

کی جو کریا غیر کی ہے صاف چار ابروئے دوست
چودھویں کا چاند گویا ہو گیا اب روئے دوست

نیل کا گُدنا میں گودوں گا سرِ بازوئے دوست
ہاتھ سے اپنے کروں گا ایک دن اتوئے دوست

عاشقانِ زرد رو کے طائرِ دل ہیں مقیم
دوپٹے کے جھونجھ ہیں اُلجھے ہوئے گیسوئے دوست

دشمنوں کی زد سے بچتا ہوں میں اس کی آڑ میں
عافیت کے قلعے کا دُھس ہے مجھے پہلوئے دوست

ڈھونڈھتے پھرتے ہیں عاشق پر نشاں ملتا نہیں
آگئی چوڑی سڑک میں سب زمین کوئے دوست

آبداری آئی جب خنجر پر کھلے جاں نثار
ہو گئے بے کار پیری میں سفید ابروئے دوست

کھوپڑی عاشق کی مل جاتی ہے دیوالی میں جب
جاگتا ہے مرگھٹے پر رات کو جادوئے دوست

شام تک عشاق کو ہوتا نہیں کھانا نصیب
دیکھ لیتے ہیں سحر کو اٹھ کے جس دن رُوئے دوست

اس پہ مر رکھتے ہی عاشق ہو گئے انٹا غفیل
نرم تھا سنبھل کے تکیے سے سوا زانوئے دوست

فرض کیجیے اک طویلہ مجمعِ عشاق کو
اور بندر اس طویلے کے لئے ہے خوئے دوست

یا الٰہی اس قدر ہو عمر کی رسّی دراز
دیکھتے ہی دیکھتے ہو جائیں سن گیسوئے دوست

شعر کچھ ہندی قوافی میں بھی پڑھیئے اب ظریف
کر رہی ہے یہ اشارہ نرگس جادوئے دوست

حسن کے دلکش طویلے میں ہے بندر خوئے دوست
ہے سمندِ ناز یا اڑیل کوہی ٹٹوئے دوست

کم حقیقت نیش زن اغیار ہیں بیٹھے ہوئے
دیکھ تو دیکھے نہ ہوں تم نے اگر بِسْتوئے دوست

تالیاں کوٹھے کی چھت پر متصل بجتی رہیں
رات بھر دیتا رہا سیٹی اک الّوئے دوست

ساقیا دے جام تو اوروں کو بزم یار میں
میری سیری کے لئے کافی ہے اک چلّوئے دوست

جاگ اٹھے تم صبحدم آواز سے جس کی ظریف
ریل گھر کا تھا وہ بھونپوا کہ تھا بھونپوئے دوست

(۳۲)

تصدق ماگھ میلا اس ہجوم کوئے قاتل پر
وفور شوق میں بسمل چڑھا جاتا ہے بسمل پر

صدائے نالۂ مجنوں سے بھڑکا ناقۂ لیلیٰ
کبھی ناقے پر محمل تھی کبھی ناقہ تھا محمل پر

شہیدانِ وفا کا خونِ ناحق رنگ لایا ہے
اُگی ہے لال چولائی زمین کوئے قاتل پر

کمر موٹی لنڈورے بال سینہ صاف قد لانبا
ہزاروں ہیجڑے صدقے بتانِ فیشن ایبل پر

خطا پیشاب ہو جب امتحاں گاہ محبت میں
تو مجبو دھار رکھ دی عاشقوں نے تیغ قاتل پر

محبت کے اکھاڑے میں ہے حسن و عشق کی کشتی
کبھی بسمل پہ قاتل ہے کبھی بسمل ہے قاتل پر

ظریفؔ اس کو تو خالی لب کی شیرینی سے مطلب ہے
فضیلت ہے الہ آباد کے امرود کو دل پر

(۳۳)

ظلم کا لگا لگا کر آشیانوں کو نہ چھیڑ
بلبلیں صیاد چپ ہیں بے زبانوں کو نہ چھیڑ

باغ اگر اجڑا تو پھر بولیں گے الّو اس جگہ
ہم صفیر اچھا نہیں ہے باغبانوں کو نہ چھیڑ

ان کے عاشق کر نہ دیں ہڑتال اس کا خوف ہے
حسن کے چلتے چلاتے کارخانوں کو نہ چھیڑ

سو سیانے ایک مت تو نے سنی ہوگی مثل
یہ سراسر بیوقوفی ہے سیانوں کو نہ چھیڑ

دیکھتے ہیں دوست اور دشمن کو جو اک آنکھ سے
دیکھ اندھا ہو نہ ظالم ایسے کانوں کو نہ چھیڑ

ادھ ردیوں سے نہ لڑ مردانگی کے ہے خلاف
گالیاں دینے لگیں گے ان زنانوں کو نہ چھیڑ

خان بہادر جو نہیں اے شیخ تو ان سے نہ بول
دل لگی میں ان امیٹیشن پٹھانوں کو نہ چھیڑ
ان کی گنتی ہے نہ زندوں میں نہ مردوں میں شمار
پاس ہوں جو منڈل ایسے نیم جانوں کو نہ چھیڑ
تجھ کو آثار قدیمہ کی حفاظت چاہیئے
اے نئی تہذیب کے تپلے پرانوں کو نہ چھیڑ
حیثیت سے ان کی بڑھ کر باندھ دیں گے اپنہ ٹیکس
ڈال کر چھپر رہا کر اب مکانوں کو نہ چھیڑ
چڑھ کے زیلین پر نہ اترا اور نہ ہو اتنا بلند
اے زمین کے رہنے والے آسمانوں کو نہ چھیڑ
تانا ۔ نانا توم نا ۔ درنا تنا نا ۔ توم نا
جب بجے انگلش پیانو ان ترانوں کو نہ چھیڑ
کہہ گل و بلبل کا قصہ کیوں کلب میں بیٹھ کر
محفل نو میں پرانی داستانوں کو نہ چھیڑ
لکھنؤ سے پہنچے منصوری تک آواز ظریف
"ہم سے لازم تھی" ہمارے مہربانوں کو چھیڑ
لے

(۳۴)

مانگ شیریں کی ہے اے فرہاد جوئے شیر غم
ٹانگ مجنوں ناقۂ لیلیٰ کی ہے شہتیر غم
کیوں نہ ہو تانیث عشرت حاصل تذکیر غم
بی خوشی زیب النسا ہیں بنت عالم گیر غم
لفظ غم میں میم ہے اور میم ہے کبڑی کی شکل
ہے غلط جو باندھتے ہیں شعر میں شہتیر غم
اک نر اک مادہ پھر توام جو دونوں ہیں یہ کیا
یا ہے غم شوہر خوشی کا یا خوشی ہمشیر غم

لے کتابت کی غلطی کے باعث یہ ٹکڑا پڑھا نہ جا سکا۔

گر نہ ہو باور چھری سے کاٹ کر تم دیکھ لو
پیاز کی آنڈی کے اندر ہے گھسی تاثیر غم

اس سے بہتر بل نہیں سکتا ہے بیفادی فریم
دل کے آئینے میں رکھنا چاہیے تصویر غم

بڑھ گئی چوٹی جب اُس بت نے کیا کریا کرم
ہو نہ ہو بس ہے یہی اے برہمن زنجیر غم

"بر سر اولاد آدم ہر چہ آید بگزرد"
خلد سے آدم اٹھا کر لائے تھے شہتیر غم

دیکھا ہے اکثر کلام میں ہم نے بھی ظریف
اس کا ہر مصرع ہے دل کے واسطے ایک تیر غم

(۳۵)

میلا پانی بہا جو نالی میں	ہو گا چالان کوتوالی میں
تھا کبڑے کا میل ہالی میں	پھول بھیجے ہیں اس نے ڈالی میں
یار نتھنوں چنے نہ چبواؤ	نہ کھر دچھرّے اس دونالی میں
منصف اس شہر کے ہیں گویا قطب	اک جنوبی میں اک شمالی میں
قیس بزدل پہ ناقہ لیلیٰ	دانت پیسا کیا جگالی میں

گتھ گئے یوں ظریف دو مُلّا
مرغ لڑتے ہیں جیسے پالی میں

(۳۶)

فارسی اُردو کو جب دست و گریباں دیکھوں
"بینم اے جاں رخ تو" منہ ترا اے جاں دیکھوں

ہو اگر سوئے شفاخانۂ شاہی جانا
صورت ڈاکٹر و حالِ مریضاں دیکھوں

شبہ کیا ہے میں کہوں گا کہ گلہری ہے ضرور
کسی دیوار پہ گر موشکِ پرّاں دیکھوں

آب زر اور کفِ دست و دلِ من رگِ پا
یاد آجائے جو گلزار دبستاں دیکھوں

کس لئے مجھ کو نہ دھوکا ہو بشر کا اُس پر
آرسی کو جو میں ہم صورت انساں دیکھوں

روز دریا میں حبابوں سے صدف کہتے ہیں
موتیا بند ہو گر میں سوئے نیساں دیکھوں

کیا خطا میری کہ ہوں ہند کا رہنے والا
چھپکلی سمجھوں اگر غنچۂ پنہاں دیکھوں

آئے دن خوب عدالت کے تماشے دیکھے
فصلِ گل آئی ہے اب چل کے گلستاں دیکھوں

(۳۷)

جفاکش اور بڑے برباد ہوتے ہیں ۔۔۔ کہیں شریفوں سے بہتر کہا ہوتے ہیں
لحد میں جاتے ہیں ہمراہ دیکھئے اعمال ۔۔۔ نصیب ایسے کہیں یار غار ہوتے ہیں
انہیں کو سیر سپاٹے سے کام رہتا ہے ۔۔۔ جو لوگ دہر میں بیروزگار ہوتے ہیں
شراب خوار، دغاباز، سنگدل، نازک ۔۔۔ اسی قماش کے غزلوں میں یار ہوتے ہیں
ظریف جن کی لڑکپن میں تربیت نہ ہوئی
وہ بڑھ کے اک شتر بے مہار ہوتے ہیں

(۳۸)

لحد پر اس لئے عشاق کے پتھر لگاتے ہیں ۔۔۔ بجا لنگڑانے لگتے ہیں جہاں ٹھوکر لگاتے ہیں
پرانے وقت کے معشوق جو ہیں اس زمانے میں ۔۔۔ قبا اب تک پہنتے ہیں مگر کالر لگاتے ہیں
نئی تہذیب نے استاد ماغوں پر اثر ڈالا ۔۔۔ جناب شیخ اپنے نام میں مسٹر لگاتے ہیں
جنوں ہنس ہنس کے کہتا ہے کہ ہیں مینڈھے لڑاتا ہوں ۔۔۔ درِ دلدار پر عشاق جب ٹکر لگاتے ہیں

(۳۹)

گر بنائیں آنت مل جائے اگر شیطان کی ۔۔۔ اس سے پھر پیمائش طولِ شبِ ہجراں کریں
عاشق و معشوق کا کیا گھر ہے کوئی اسپتال ۔۔۔ جائیں جو بیمار پڑ کر خواہش درماں کریں
ڈول رسی جانتے ہیں اب تو سقے دیکھ کر ۔۔۔ اور ہم دل کو اسیر کاکلِ پیچاں کریں

(۴۰)

علم میں جھینگر سے بڑھ کر کامراں کوئی نہیں ۔۔۔ چاٹ جاتا ہے کتابیں امتحاں کوئی نہیں
اتنے ہم سن ہیں کہ جڑواں انکو کہنا چاہئے ۔۔۔ پیر ہیں ساتوں فلک ان میں جواں کوئی نہیں

حضرت حوا سے کچھ کم حضرت عیسیٰ نہ تھے
باپ ان کا بھی نہیں گر ان کی ماں کوئی نہیں
لکھنؤ دلی انہیں شہروں پر کیا موقوف ہے
ہر جگہ اہلِ زباں ہیں بے زباں کوئی نہیں

(۴۱)

کچھ ایسے وشک مسیحا کا اعتبار نہیں
خطا معاف گدھے پر بھی جو سوار نہیں
نہ ہو حضور کا عاشق جو بُردبار نہیں
شریف ہے وہ کوئی قوم کا کہار نہیں
رقیب جان کے بھرتے ہیں اسکی دم کے ساتھ
جناب قیس کو ناتے کا اعتبار نہیں
لگا کے ٹھوکریں یہ کہتے ہیں میرے مرقد پر
ہماری ٹانگ نہیں یا ترا مزار نہیں
چبا چبا کے پڑھیں شعر یہ نہیں آتا
پسند مونگ پھلی کی ہمیں ٹنگار نہیں

(۴۲)

آئے تھے کل وہ فاتحہ پڑھنے بخار میں
گرمی ہے آج تک مری خاک مزار میں
ہے واقعی یہ عشق کے موٹر کی بیٹری
بجلی بھری ہوئی ہے دلِ بیقرار میں
لنگڑا رہے ہیں قبر کو ٹھوکر لگا کے وہ
پتھر لگا ہوا تھا کسی کے مزار میں
لاکھوں کو جھوٹ موٹ جو کرتے ہیں یوں قتل
معشوق سب وہ بھیجدیئے جائیں وار میں
ہر چند تھے شریف چڑی مار بن گئے
حاصل ہوا یہ طائرِ دل کے شکار میں

(۴۳)

یار مصروف رہا زلف کے سلجھانے میں
دیر اس وجہ سے اس کو ہوئی پاخانے میں
انقلاب آپ ذرا دیکھئے تو گلنے میں
بستی مشہور ہوئی دہر کے ویرانے میں
بہر تحقیق معانی و لغات مُغلق
گھس گیا جھینگر اور اک کتب خانے میں
جب کمر یار کی معدوم ہے پھر کیا حاصل
سعی کیوں کرتے ہیں پاجامے کے پہنانے میں

آج کل کی ادبیت کا یہ معیار ظریف
وہی استاد ہے مشاق جو ہو گانے میں

(۴۴)

اک روز دیکھا ناقہ لیلیٰ نے خواب میں
محمل الجھ کے رہ گئی شاید رکاب میں
شیریں کی جستجو کے لئے اضطراب میں
فرہاد جا کے کود پڑا خمِ راب میں

(۴۵)

خود بخود لکڑی میں یوں سوراخ ہو جاتا نہیں
جب تلک برمے سے نجار اس کو برماتا نہیں
ایسے سائل کو ملا کب جو کہ چلاتا نہیں
ہے مثل بے مانگے بچہ دودھ بھی پاتا نہیں
فارسی میں کس طرح اس کو کہیں لائق ہے یہ
ترجمہ جس کو نمی آید کا بھی آتا نہیں
اک نہ اک دن ہے یقیں ہوگا گرفتار بلا
گر سگِ جاناں کی گردن میں کوئی پٹا نہیں
جیتنا ممکن نہیں اس شخص کو جنز ہار کے
جو کبھی گھوڑ دوڑ میں گھوڑے کو دوڑاتا نہیں
المدد اے دست و پائے عنکبوتِ بے خبر
بے ترے اب عقدۂ بال مگس کھلتا نہیں

سب کے سب اس کو کریں دیوان جی صاحب خیال
یہ کسی بنیئے مہاجن کا بہی کھاتا نہیں

حالِ دل اپنا اشاروں میں وہ کہتا ہے ظریف
منہ میں گونگے کے زبان ہے اس طرح گویا نہیں

(۴۶)

قول کسی حسین کا سچ ہے کہ معتبر نہیں
وعدۂ وصل یار کیا جس میں اگر مگر نہیں

بہر عیادت آئے کیا حال وہ پوچھے کس طرح
جس کا دہن دہن نہیں جس کی کمر کمر نہیں

کہنے کو کہیئے مان لوں جھوٹ میں سچ ملا ہوا
تیغ بندھے تو کس طرح یار کے جب کمر نہیں

ماتھے پہ کاتبِ ازل لکھتا ہے جب خطِ شکست
کوئی پڑھے تو کیا پڑھے زیر نہیں زبر نہیں

قدرت حق کا ہے مذاق خلقت آدم اے ظریف
باپ سبھوں کا بن گیا خود وہ مگر پسر نہیں

(۴۷)

سناتی ہیں جوئیں جب ہم رضائی دیکھ لیتے ہیں
جو کھٹمل کاٹتے ہیں چارپائی دیکھ لیتے ہیں

یہ ہے مشہور افسر ہیلتھ، جس گھر میں آتے ہیں
فقط وہ پائخانوں کی صفائی دیکھ لیتے ہیں

(۴۸)

قلم ہوتے ہیں سر لوگوں کے وہ تیغ آزماتے ہیں
گلی کو از سرِ نو سر کٹا نالہ بناتے ہیں

درِ جاناں پہ عاشق اس لئے بستر لگاتے ہیں
کہ اپنے گھر میں سوتے ہیں تو کھٹمل کاٹے کھاتے ہیں
تیرے دیوانگانِ عشق کو یہ بھی نئی سوجھی
جب ان پر انگلیاں اٹھتی ہیں وہ ٹھینگا دکھاتے ہیں
جناب عشق فرماتے ہیں سر ٹکرانے والوں سے
تماشا دیکھو ہم بیٹھے ہوئے مینڈھے لڑاتے ہیں
مچلتا ہے جو طفلانہ یہ آغوشِ تمنا میں
دل بیتاب کو ہم رات بھر جھنجھو جھلاتے ہیں
بوقت نزع عقدہ کھل گیا سب مرنیواں کا
یہ ہچکی آ رہی ہے موت سے یا ہچکچاتے ہیں

(۴۹)

خدا کے بعد اس دنیا میں جو کچھ ہے وہ نائی ہے
بلا تفریق جس کے سامنے سب سر جھکاتے ہیں
بجا کر تالیاں تقریر پر تحسین کے پردے میں
مہذب لوگ اسپیکر کو کیا الو بناتے ہیں
خدا جانے یہ کس اردو ادب کی ہے سڑی مٹی
کہ جس سے آج کل بد مست پیمانہ بناتے ہیں
نئی اردو ہے گھوڑی کی تبسم پاشِ فطرت نے
دکھایا ہے وہ منظر جس سے گھوڑے ہنہناتے ہیں

کہیں صحرائے تنہا ہیں کوئی مست مناظر ہے
جسے دوشیزۂ فطرت کے نغمے گدگداتے ہیں
کہیں ہے صرف یعنی لفظ لایعنی کا ہم معنی
غرض یہ ہے کہ خشکے سے گنڈیری خوب کھاتے ہیں
ہے جب سے کوچۂ جاناں میں کرفیو آرڈر جاری
تو شب کو دس بجے سے قبل عاشق بھاگ جاتے ہیں
برا ہو دل کا، لیلیٰ پردۂ محمل میں نکلی ہے
میاں مجنوں لنگوٹی باندھے پیچھے دوڑے جاتے ہیں
ظریف ان بے تکوں سے اب مچلکا کیوں نہیں لیتے
یہ نظم و نثر لکھتے ہیں کہ ظالم منہ چڑھاتے ہیں

(۵۰)

کریں گے سب یہ دعویٰ نقدِ دل جو ہار بیٹھے ہیں
خفیفہ میں تمہارے عاشق نادار بیٹھے ہیں
ادھر منہار بیٹھے ہیں اُدھر منہار بیٹھے ہیں
گھٹنا بیچ میں پہنے وہ چوڑی دار بیٹھے ہیں
حسینوں کی کمر جب شاعر و معدوم ہے بالکل
تو پھر کس چیز میں وہ باندھ کر تلوار بیٹھے ہیں
لب بام آ کے ان پر کھینچ مارا اک اینٹ لے ظالم
ترے عاشق جو زیر سایۂ دیوار بیٹھے ہیں

بھلا معشوق تو کا ہے کو وہ ضحاک ہیں گویا
کہ دو شانوں پر ان کے زلف کے دو مار بیٹھے ہیں

تری ترچھی نظر ہونے سے تیری قدر دونی ہے
جو دو عاشق بھی ہوں تو جانتا ہے چار بیٹھے ہیں

شبِ فرقت کا اِک دریائے غم ہے بیچ میں حائل
جو میں اس پار بیٹھا ہوں تو وہ اس پار بیٹھے ہیں

تمہاری بے تکلف بزم کیا ہے چانڈو خانہ ہے گویا
ادھر دس بیس لیٹے ہیں اُدھر دو چار بیٹھے ہیں

گئے ہم پیر سے اک روز پہلے جب تو کیا دیکھا
کچہری بند دفتر میں میاں اتوار بیٹھے ہیں

سفیدی خانۂ دل میں سیہ کاروں کے پھیرینگے
نہیں ممبر پہ واعظ پاڑ پہ معمار بیٹھے ہیں

پکڑ کر کان اپنا درسگاہ عشق میں عاشق
ہزاروں بار اٹھے ہیں ہزاروں بار بیٹھے ہیں

کہا کرتے تھے والد قیس کے فرطِ محبت میں
نہیں معلوم کس جنگل میں برخوردار بیٹھے ہیں

ظریفؔ اب فائدہ کیا شاعروں کو سر دی کھانیسے
غزل ہم پڑھ چکے گھر جائیں کیوں بیکار بیٹھے ہیں

(۱۵)

ترے کپڑوں کی لادی لادنا جب یاد کرتے ہیں
تو اکثر شب کو دھوبی کے گدھے فریاد کرتے ہیں

کہو ان سے جو اکثر شکوۂ بیداد کرتے ہیں
جب ان کے داد ہو جاتا ہے کیوں فریاد کرتے ہیں

بتوں کو بھول جاتے ہیں خدا کو یاد کرتے ہیں
برہمن جب سفر سوئے الٰہ آباد کرتے ہیں

یہ مجنوں کوہ کن، تو جس زمین شعر کو دیکھو
وہاں گھس پل کے اک عاشق پورہ آباد کرتے ہیں

ستم ایجاد کہتے ہیں یہ کیوں معشوق کو شاعر
ستم بھی کیا کوئی کل ہے جسے ایجاد کرتے ہیں

بگولہ ہیں کوئی معشوق آندھی ہیں کہ جھکڑ ہیں
جو چل کر عاشقوں کی خاک کو برباد کرتے ہیں

ہمیں تبلا نہ دیں عاشق جو ہیں ڈٹے کتابی پر
سبق ہے کیا کوئی معشوق جس کو یاد کرتے ہیں

سیہ مستوں کی شادی دختِ زر کے ساتھ ٹھہری ہے
مبارک، حضرت پیر مغاں داماد کرتے ہیں

یہ وائرلس کا ٹیلیفون کیا دل میں لگایا ہے
کہ ہم کو ہچکیاں آتی ہیں جب وہ یاد کرتے ہیں

تمہارا مصحفِ رُخ یاد کرنے والے اندھے ہیں
کہ قرآن حفظ اکثر کورِ مادر زاد کرتے ہیں
حسینوں کیا تمہارے باپ کے ہیں ہم غلام آخر
جو کہتے ہو ظریف اب ہم تمہیں آزاد کرتے ہیں

(۵۲)

صلہ آئینہ رو بھی صورت حجام لیتے ہیں
سر اپنے استرے سے مونڈ کر انعام لیتے ہیں
دُمِ ناقہ میاں مجنوں اُچک کر تھام لیتے ہیں
شترِ غمزدوں کا چڑا اپنے سر الزام لیتے ہیں
تمہیں وہ عارضہ ہو لوگ جس کو درد کہتے ہیں
تمہارا نام لیتے ہیں کلیجہ تھام لیتے ہیں
تری دکھتی ہوئی آنکھوں کا دھیان آتا ہے اے ساقی
مئے گلرنگ کا جب ہاتھ میں ہم جام لیتے ہیں
کمر معدوم ہے، چلنے میں بل کھاتی ہے پھر کیا شے
نزاکت سے حسین کیا چیز آخر تھام لیتے ہیں
ادھر تو دیکھئے قربان دُزدیدہ نگاہوں کے
جہاں چوری ہوئی سب آپ ہی کا نام لیتے ہیں
ہر اک عاشق کو مر جاتے ہی دیکھا ناتواں ہو کر
نہیں معلوم کیا معشوق ان سے کام لیتے ہیں

ظریفؔ ایسے شریف کعبہ ہیں فیشن کے دلدادہ
کہ اب ڈی ون برائے جامہ احرام لیتے ہیں

(۵۴)

آہ ستارے ٹانک کر حُسن کے پیشواز میں
ناچ دکھادے عشق کو بارگہِ نیاز میں
اتنی لگائیں ٹکریں پیش خدا نماز میں
برق سی اک چمک گئی آج سر نیاز میں
بیٹھے تھے اس مقام پر جس میں ہوا نہ جاسکے
میرا خیال گھس گیا ان کے حریم ناز میں
ان کو جو عاشقوں کے گھر جانے میں عذر لنگ ہے
پَیر مڑک گیا نہ ہو مشقِ خرام ناز میں
ہو ہی گیا وضو شکست زہد کی بزدلی تو دیکھ
جبکہ خیال رعب حُسن کود پڑا نماز میں
اس کی کرشمہ سازیاں دیکھیئے اور رو دیئے
غم کے اثر کو تہ بہ تہ بند کیا پیاز میں
قُلزم رنگ و بو کو چھوڑ چاہ ذقن میں کھاند پڑ
شوق فنائیت میں ڈوب بیٹھ نہ تو جہاز میں
عشق دلِ لہولہان حُسن کی آنکھ صید گر
جیسے کوئی بٹیر ہو چنگل شاہ باز میں

چار ہی ٹانگیں اونٹ کی اور وہ پھنسی ہیں دو جگہ
ایک طرف عراق میں ایک طرف حجاز میں
دل ہو جوان کے ہاتھ میں اور وہ دل ہو نالہ کش
تو بنی مجھے دلِ نہیں پنجۂ نے نواز میں
بوسے مہاجنوں کو تو او بُت سیمتن نہ دے
ورنہ وہ درج ہوں گے سب اصل نہیں بیاز میں
دی تپ شعلہ زا نے آگ ہولی میں جا کے جب ظریف
عشق نے دھول جھونک دی دیدۂ امتیاز میں

(۵۴)

اچھی خاصی یار کی بیمار آنکھیں ہو گئیں
شاعروں کے جھوٹ کی طومار آنکھیں ہو گئیں
آپ کی فرقت میں رونے سے ہوئی موٹی نگاہ
ہم تو دُبلے ہو گئے بتّار آنکھیں ہو گئیں
شیخ جی کا عہد پیری دوسرے ماہ صیام
جھریاں پڑنے سے چھجّے دار آنکھیں ہو گئیں
دیکھ کر رندوں کو آنکھوں میں اتر آتا ہے خون
شیخ جی کی بے پئے گلنار آنکھیں ہو گئیں
دیکھتے کچھ بھی نہیں سننے پہ ہے دار و مدار
آپ کے تو کان اے سرکار آنکھیں ہو گئیں

آپ کے دُزدِ حنا کا یہ لگاتی ہیں سراغ
دیکھنے والوں کی تھانے دار آنکھیں ہو گئیں

(۵۵)

قبر کی محمل ہیں بی لیلیٰ جو پنہاں ہو گئیں
آرزوئیں قیس کی غول بیاباں ہو گئیں

جوش وحشت ہیں بہت تنبیہہ کرتی ہیں آپ
اب تو لیلیٰ کی ادائیں قیس کی ماں ہو گئیں

قحط کا سارا اثر معشوق ہی کے سر گیا
کال کی ماری ہوئی زلفیں پریشاں ہو گئیں

اس قدر پھیلاد ہن تیرا کہ گھونگھا بن گیا
اس قدر سمٹیں تری آنکھیں کہ ٹُیاں ہو گئیں

یاد آتا ہے کہ ان زلفوں ہیں الجھے تھے حریف
اب جو تارِ عنکبوتِ طاقِ نسیاں ہو گئیں

(۵۶)

شرارے آہ سے اڑتے ہیں جب آنسو نکلتے ہیں
اِدھر برسات ہوتی ہے اُدھر جگنو نکلتے ہیں

بہت آنسو نکلتے ہیں نہ کم آنسو نکلتے ہیں
یہاں حاضر ہیں بھی غائب ہی کے پہلو نکلتے ہیں

کبھی گاندھی نکلتے ہیں کبھی نہرو نکلتے ہیں
مسلمانو! فدائے قوم اب ہندو نکلتے ہیں

اذاں سن کر کریں مسجد کا رُخ یہ ہو نہیں سکتا
گھروں سے اپنے سن کر ریل کا بھونپو نکلتے ہیں

بجاؤ تالیاں ہم سے نئی تہذیب کہتی ہے
جہاں اسپیچ دینے رات کو الّو نکلتے ہیں

شب فرقت رفاقت کو کسی کے خفتہ بختو نکی
کبھی کھٹمل نکلتے ہیں کبھی پسّو نکلتے ہیں

حسینوں دورِ آزادی میں تم نے رکھ لئے پٹے
ارے بھاگو اسیر حلقۂ گیسو نکلتے ہیں

(۵۷)

اور اضافہ ہوگیا قیس کے خلفشار میں
نجد میں جب الجھ گئی ناقے کی دم مہار میں

اتنا تحمل اب نہیں عاشق بردبار میں
جیسا کہ اک قلی میں ہو یا ہو کسی کہار میں

ڈر نہ یہاں رقیب کا اور نہ غیر کا گزر
چپکے سے آکے لیٹ جاؤ پاس میرے مزار میں

کونسلوں نے دونوں کو آنریبل بنا دیا
تھی جو صفت شریف کی اب ہے وہی چمار میں

یہ تو بڑا غضب ہوا آتے ہی دھول جھونک دی
آپ کی چال ڈھال نے دیدۂ انتظار میں

منزل قبر کی طرف عمر کا کارواں رواں
موت کی دم بندھی ہوئی زلیست تری مہار میں

ہجوِ ملیح ویزدلی دونوں کا ہو مظاہرہ
آپ کہیں کہ واہ واہ میں کہوں بار بار میں

وحشت عشق سے ظریفؔ کچھ بھی رہا نہ امتیاز
قیس رواں دواں ہیں اور اشتر بے مہار ہیں

(۵۸)

جو حسن ان میں پری کیا پری کی ماں میں نہیں
وہ عشق ہم ہیں وہ جن کیا فرشتے خاں میں نہیں

زمین نام ہے مٹی کے ٹھوس گولے کا
ہوا بھری ہوئی ہے کچھ بھی آسمان میں نہیں

وہ شوخ پوچھ رہا تھا کل اپنے بنئے سے
یہ کیا کہ جنس معانی تری دکان میں نہیں

کماگروں نے جو دیکھا کسی کی ابرو کو
کہا کمان وہ کیا تانت جس کماں میں نہیں

غلط ہے یار کو عیسیٰ سے دیں اگر تشبیہہ
صفات حضرت مریم جب اس کی ماں میں نہیں

(۵۹)

جو ہے شوق تماشا یہ چھچھوندر دیکھتے جاؤ
شرا باری آہِ قلب مضطر دیکھتے جاؤ

زمانہ ہو رہا ہے نیچے اوپر دیکھتے جاؤ
ہنڈولا گھومتا ہے دل کا کیونکر دیکھتے جاؤ

عجائب گھر ہے باغ حسن بھی اک قسم کا گویا
کہ دو ٹانگوں کا ہے جس میں صنوبر دیکھتے جاؤ

تمہارا گول عاشق ہے نہیں فٹ بال سے کچھ کم
ذرا چلنے میں جڑ کر اس کو ٹھوکر دیکھتے جاؤ

مرے جاتے ہیں جو بیکار تم ان سب کو مرنے دو
ففنظر رفتار ہیں جوتے کی چرمر دیکھتے جاؤ

دل عاشق غم دنیا کا کتنا بوجھ لادے ہے
ادھر آؤ ادھر آؤ یہ خچر دیکھتے جاؤ

سوا نیزے پر شاید آفتاب حسن آئے گا
ظریف اب جمع ہیں سب اہل محشر دیکھتے جاؤ

(۶۰)

گرہ ہو گتھیاں ہوں پیچ و خم سے جس کے الجھن ہو
یہی مضمون جو بنتا ہے تو زلفیں کیوں ہوں پھر سن ہو

تمنا ہو کسی کی تیغ ہو اور اپنی گردن ہو
پھر اس کے بعد یارب "سر کٹے نالے" میں مدفن ہو

ہجوم عام ہو اور مجمع گوروں کی پلٹن ہو
سمجھ لو لاٹ آئے ہیں جو اسٹیشن پہ دن دن ہو

کہو معشوق کو غنچہ دہن جب اس کے نخو تھن ہو
لکھو تم شوخ کج رفتار جب ٹیڑھی ٹانگن ہو

یہ سب لکڑی کے تختے خاک میں مل جائیں جل بھن کر
غضب ہو جائے گر سچ مچ لحد میں داغ روشن ہو

جو دیکھیں آ گیا بیتال آنکھیں بند ابھی کر لیں
مگر خواہش یہ ہے پیش نظر دادی امین ہو

یہی دہشت اگر دست جنوں کی ہے تو اے بھائی
دوپٹہ اوڑھ لو جس میں گریباں ہو نہ دامن ہو

اگر تم جنگجو ہو سیکڑوں کو قتل کرتے ہو
تو پھر یہ جھوٹ ہے نازکبدن کیوں ہو تہمتن ہو

نہ بجھتا ہے یہ پھونکے سے نہ جلتا ہے یہ ڈیوٹ پر
چراغ ان کا کہو کس طرح سے پھر روئے روشن ہو

مچائے شور و غل آہِ شرر افشاں کرے ہر دم
یہی اوصاف لازم ہیں تو عاشق کیوں ہو انجن ہو

ازل سے تا ابد لمبی یقیں ہے ٹانگ بھی ہوگی
حسین شوخ وہ صحرائے محشر جس کا دامن ہو

ظریفؔ انصاف سے کہہ دو وہ عاشق ہے کہ دو ہا ہے
زمینِ قصر جاناں ہیں جو یہ چاہے کہ مسکن ہو

(۶۱)

لوگ سمجھیں گے یہاں سیند لگی تھی شب کو
خانۂ یار کی دیواریں در ہونے دو

ایک عالم کے قضیے سے ہمیں کیا مطلب
تھا جنوں قیس کو لیلیٰ کا اگر ہونے دو

تم اگر ناز سے چلتے ہو چلو جوں کی طرح
خون نزاکت کا صنم غیر کے سر ہونے دو

تاک مادہ کی ابھی کون ہے نر ہونے دو
دختر رز کی جو خواہش ہے پسر ہونے دو

آپ ہی دیکھ کے سب اس کو کہیں گے بھنگا
اگر اس شوخ کی ترچھی ہے نظر ہونے دو

حرکتیں تو ہیں سینچر کی مگر ظاہر ہیں
ہیں وہ مشہور اگر رشک قمر ہونے دو

خود قبولیں گے کہ ہاں ہم نے چرایا ہے دل
کوتوالی میں ذرا اس کی خبر ہونے دو

اڑ کے جا کوچۂ جاناں میں کہا جب میں نے
نامہ بر بیٹھ رہا گھر میں کہ پر ہونے دو

ہم جگا دیں گے انھیں آنکھ لگے گی جو ظریف
کھٹ کھٹائیں گے ذرا بند تو در ہونے دو

(۶۲)

جو وہ باتیں کریں مجھ کو خبر ہو
الٰہی خانۂ دل تار گھر ہو

نہ لو کروٹ جو بستر تر بتر ہو
اجی تم انتہا کے بے خبر ہو

کہیں ہم نیک کو انساں کیونکر
بشر وہ ہے کہ جس کے ساتھ شر ہو

حسیں وہ ہے عجائب گھر کے قابل
دہن غائب ندارد جب کمر ہو

نہیں معشوق ہرگز چور ہے چور
حسیں ہے جس کی دزدیدہ نظر ہو

رقیب زشت رو ہو گر تہ تیغ
مناسب ہے کہ گینڈے کی سپر ہو

در دلدار سے ہم کو اٹھا دیں — رقیبوں کے اگر بابا کا گھر ہو
نہ ہو کیوں خلقت آدم پہ حیرت — بنے سب کا پدر جو بے پدر ہو
صفت یہ کیا مذمّت ہے سراپا — کہ جس سے آدمی بھی جانور ہو

ظریفؔ اچھا ہو وہ معشوق جسکی
ہرن کی آنکھ چیتے کی کمر ہو

(۶۳)

جب ہیں شریر سب وہ آخر ہیں جن کے ہاں ہو
اس کلیئے میں داخل تم بھی تو مہرباں ہو
اصطبل زندگی میں نر ہو کہ مادیاں ہو
کس طرح پیٹ پالے ہر چیز جب گراں ہو
عاشق کی یہ صفت ہے دُبلا ہو نا تواں ہو
بالکل مرا ہوا ہو یا صرف نیم جاں ہو
جب اک گنوار کا لٹھ لیلیٰ کا ساربان ہو
مجنوں کو کیوں نہ ڈانٹے "ٹھہرے رہو میاں ہو!"
عاشق نہ ہوتے پیدا ہر گز جو تم نہ ہوتے
فی الواقعی حسینو تم عاشقوں کی ماں ہو
باتیں یہ الٹی سیدھی سب ہیں خوشامدانہ
چاہے چناں چنیں ہو چاہے چنیں چناں ہو

بے چٹ لنگوٹ باندھے کرتے ہیں زیر سب کو
نازک بدن حسینوں تم ایسے پہلواں ہو
عشاق بکتے بکتے خاموش ہو گئے خود
معشوق بے دہن ہے کیوں کر نہیں سے ہاں ہو
لیلیٰ کے پاس کتا ہے اک بڑا شکاری
مجنوں ابھی کے جانا تم مشت استخواں ہو
کھدر کی ایک لنگوٹی باندھے ہوئے ہیں مجنوں
لیلیٰ کی ہے یہ خواہش محمل پہ دھوپ چھاں ہو
عصر جدید ہم کو تعلیم دے رہا ہے
یعنی میاں ہو بی بی، بی بی ہر اک میاں ہو
موت و حیات دونوں میں یہ رہے تناسب
معشوق کا ہو دسواں عاشق کا بیسواں ہو
معشوق بھی ہے ایگریکلچر کا اک نمونہ
رخسار پر ہو سبزہ ٹھوڑی میں اک کنواں ہو
شکوہ ظریف کیوں ہے قسمت میں یہ لکھا تھا
عشاق گاؤدی ہوں معشوق کائیاں ہو

(۴۶)

تمہیں دلدار بھی ہو اور تمہیں مشہور دلبر ہو
سمجھ میں کچھ نہیں آتا یہ کیوں کر ہو وہ کیونکر ہو

منڈا کر داڑھی مونچھیں مادہ رو ہونے پہ مُصِر ہو
مونث دیکھنے میں ہو حقیقت میں مذکر ہو

بنے مادہ جنوں کی شعبدہ بازی سے جو نر ہو
پنہلائے بیڑیاں لیلیٰ تو وہ مجنوں کا زیور ہو

اسی کے تحت میں تھی ناک اس پر کیا گزر جاتی
کسی کا ابروئے خمدار خنجر ہو تو کیوں کر ہو

کبھی میری طرف ہے اور کبھی ہے آپ کی جانب
مزہ پھر کیا ہے جب تھالی کا بیگن قلب مضطر ہو

وہ چاہے کل گھروں کو بیچ لے یا رہن کر ڈالے
ظریف آقا وہی ہے ہر محلے کا جو مہتر ہو

(۶۵)

یہ سوجھی دل لگی دست جنوں فتنہ ساماں کو
میانی تک بڑھا کر لے گیا چاک گریباں کو

مبارک باد دیں سب اہل وحشت قیس کی ماں کو
بسائے جس کا بچہ نجد سے چٹیل بیاباں کو

جنوں جب زور کرتا ہے گلے ملتے ہیں آپس میں
لڑاتے ہیں ترے وحشی گریباں سے گریباں کو

سوال وصل پر انکار ہے اقرار ہے کیا ہے
کچھ اس انداز سے کہتے ہیں مجھے کون جی ہاں کو

وفورِ بے خودی میں پاؤں کو دے دے پٹکتا ہوں
خدا غارت کرے ایسے جنونِ فتنہ ساماں کو

اسے محفل میں رندوں کی جو لانا ہو تو یوں لاؤ
کسی فانوس کا لہنگا پنہا دو شمع عریاں کو

غضب یہ ہے کہ عادت پڑ گئی ہے مانگ کھانے کی
گرانی کے زمانے میں تری زلفِ پریشاں کو

دیا ہے حکم جو کرنے ظریفؔ اچھا تو ہے شب بھر
مفاعیلن کے چھ بردھے پہ مضموں لاد کر ہانکو

(۶۶)

دل کی کلی مرجھائی ہوئی ہے جس کی گرہ میں دام نہیں
اس کے تئیں کیا فصلِ بہار آئی ہے چمن میں آنے دو

پیرِ مغاں کے سر پہ سایہ لال پری کا رہتا ہے
اس کی گواہی دینے آئے ملّا اور سیانے دو

(۶۷)

ہم کو اڑانے دو کنکوے بد کر پیچ لڑانے دو
سر پہ فلاکت منڈلاتی ہے، ہرج نہیں منڈلانے دو

فیشن کا یہ حکم ہے عورت مرد بنے پٹے رکھے
مرد زنانی شکل بنائیں ڈاڑھی مونچھ منڈانے دو

قیس میں اور فرہاد میں آخر کونسا تھا سرخاب کا پر
گھس پل کر ہر ایک غزل میں آتے ہیں دیوانے دو

مرد کی صورت ایک ہے اور ایک پہ عورت کا چہرہ
ہر اسٹیشن پر ہیں دیکھو جلوہ نما پاخانے دو

کوئی سمجھا اذن دیا اور کوئی یہ سمجھا منع کیا
حکم دیا دربان کو اس نے روکو نہ ان کو آنے دو

یار کے کوچے کی ہے رونق ایک فقط اس کے دم سے
بھیروں ناچے گا مقتل میں بسمل کو مرجانے دو

گگری چھوچھی بیل پیاسا کالے میگھا پانی دے
لوٹ کے سب میخوار کہیں گے جام و سبو تو آنے دو

مقتل بھر میں صدہا بسمل تا تھئی تا تھئی ناچیں گے
ناچ کھلاڑی دھنک دھنا قاتل کو فرمانے دو

خالی خولی واہ جو کی کیا حاصل اس سے بھائی ظریفؔ
جس کا شعر پسند آئے فی شعر اسے دو آنے دو

(۶۸)

سرکس کا تماشا ہے بدمستوں کا میخانہ ۔۔۔ اک اور قلابازی اے لغزش مستانہ
لیلیٰ تری محمل میں گھس پڑتا ہے درآنہ ۔۔۔ مجنوں کی شکایت کیا دیوانہ تو دیوانہ
مغرب کے مقلد کا گردش میں ہے پیمانہ ۔۔۔ دونوں سے رفو چکر کعبہ ہو کہ بتخانہ
اے شیخ مبارک ہو طوف درِ میخانہ ۔۔۔ یہ جبہ و عمامہ یہ سبحہ صد دانہ

تا صبح سناتا میں اشعار ظریفانہ — فی شعر اگر دیتا کوئی مجھے اک آنہ
پھوٹی ہوئی قسمت میں میخواروں کی لکھا ہے — اک بال پڑا شیشہ در کا ہوا پیمانہ
گر چشم قناعت سے دیکھو تو برابر ہے — نادار کا اک چھپر زردار کا خسخانہ
فیشن کی محبت میں ہرگز نہ گوارا کر — تقلید زنانوں کی اے ہمت مردانہ
اے دزد حنا تیری بندھواؤں کہاں مشکیں — نزدیک یہاں چوکی کوئی نہ کوئی تھانہ
ہر چند دہن ڈھونڈا صورت میں نہیں ڈھونڈا — ہر موج تبسم ہے اک سین کا دندانہ

(۶۹)

سمجھئے آپ اُسے فیشن کا ایک دیوانہ — ہو جس کی شکل زنانی لباس مردانہ
ہے احترام بزرگی منافی تہذیب — اسی کا نام ہے آزادئ بہیمانہ
یہ انقلاب زمانہ سے ہو گئی حالت — ہوئے ہیں مذہب و ملت سے لوگ بیگانہ
جو مادے کی الٹ پھیر کو خدا سمجھے — وہ اس زمانہ کا عاقل ہے اور فرزانہ
خیال پیرس و لندن نے کر دیا مدہوش — کہ اب نظر میں کعبہ ہے اور نہ بتخانہ
گناہ ہے حج دیرینہ بحکم دور جدید — طواف شملہ و لندن ہے فرض سالانہ
وہاں پہ دیکھو گے کیا خاک پھر آنکھوں سے — یہاں ہے حسن فرنگ اور ادائے مستانہ
یہ فیض عام نئی روشنی کا صدقہ ہے — بدل گیا رُخ تصویر شمع و پروانہ
قصائد فلم اسٹارس وہ بھی با تصویر — یہ کیا ہے گر نہیں دیوثی ادیبانہ
جناب شیخ گئے اسپتال بہر علاج — ملاحظہ ہو ذرا یہ ادائے رندانہ
پئیں گے جا کر میٹرین کی شاپ میں آپ — نہ چاہے بیوی کے کھانے کو گھر میں ہو دانہ
پھٹی پرانی لنگوٹی میں پھاگ کھیلیں گے — اور اس پر ضد ہے کہ سمجھو نہ ان کو دیوانہ

نہ قومیت ہے نہ غیرت نہ ان میں استقلال | مدبری کا ہے دعویٰ مزاج طفلانہ
کہیں اذاں کی صدا باعث اذیت قلب | مگر ہے چرچ کا گھنٹہ صدائے جانانہ
یہ سو رہا ہیں مگر محض خانہ جنگی میں | خطا ہو غیر کی گھرکی سے جن کا پاخانہ
زباں سے ہیں ابھی وحدانیت کے کچھ قائل | مگر خدا ہے ہر اک شخص کا جداگانہ

(۷۰)

کوئی دل بیتاب کو ڈانٹے کہ ٹھہر بھی | اِدھر تھالی کے بیگن تو اِدھر بھی ہیں اُدھر بھی
دریا میں تلاطم بھی ہیں موجیں بھی بھنور بھی | گھڑیال بھی کچھوا بھی ہے مچھلی بھی مگر بھی
کہتے ہیں جسے لوگ گدھا ہے وہی خر بھی | انساں ہے وہی سب جسے کہتے ہیں بشر بھی
اڑیل ہیں جو گھاس ان کے لئے خشک بھی تر بھی | اے خانہ برانداز چمن کچھ تو ادھر بھی
جھالر نہ ہو جس میں وہ اقرار ہے لنڈا | وعدہ ہو وہی جس میں اگر بھی ہو مگر بھی
مشہور مثل ہے غلط العام فصیح | اس وجہ سے سب صَدر کو کہتے ہیں صُدر بھی
تحریر کا عنوان بھی تہذیب نے بدلا | معشوق کے القاب میں ہے ہائی ڈیر بھی
یہ حسن نرالا ہے کہ دو عضو ندارد | معشوق وہ ہے جس کے دہن بھی ہو کمر بھی

بلبل کہو تم شوق سے ایسے شعراء کو
اک چونچ بھی جن کے ہو ظریفانہ دہن پر بھی

(۷۲)

جسے کہتے ہیں کژدم ہے اسی کا نام بچھو بھی
ہرن کہتے ہیں جس کو ہے وہی مشہور آہو بھی

سگِ جاناں کو گر دراصل تم کُتا سمجھتے ہو
بلاؤ امتحاناً ایک دن پھر کہہ کے تو تو بھی
یہ دیکھا ہے جہاں برسات میں دن کو پڑا پانی
اندھیری رات میں اکثر اڑا کرتے ہیں جگنو بھی
کوئی گھبرا کے گر پانی پیئے تو ہم نے دیکھا ہے
اسی جلدی میں اکثر اس کو ہو جاتا ہی اُچھو بھی
انھیں دیکھو زمانے میں کبوتر باز ہیں جتنے
کبھی سیٹی بجاتے ہیں کبھی کرتے ہیں کوکو بھی
جو انگریزی میں لکھتے ہیں "الف ب" فائدہ یہ ہے
کہ اول ایکس وائی زیڈ کے لکھ دیتے ہیں ڈبلو بھی
کیلا ہے زرد اس کالی بلانے والے بیدردی
انھیں کو چھن کے جما کثر پیا کرتے ہیں چانڈو بھی
ظریف اُردو کے لٹریچر میں ہم یہ کہہ نہیں سکتے
مذاقِ اہلِ یورپ میں تو سنجیدہ ہے اُلّو بھی

(۷۲)

تعریف دہن کی ہمیں آئی نہ کمر کی — کچھ دھیان ادھر کا ہے نہ کچھ فکر اُدھر کی
بھجوں گا کلیجی کے کباب ان کو کسی دن — لذّت جنھیں معلوم نہیں سوزِ جگر کی
شاید کہ یہ مسٹر ہے کوئی اور وہ لیڈی — کُتے پہ مرے شیر ہے کتیا ترے دَر کی
تم جس میں ہو ناسور اُسی دل کے ہو رہتے — لو کچھ تو خبر اپنے ٹپکتے ہوئے گھر کی

چپ چاپ چھپا بیٹھا ہے وہ عرش کے نیچے ‏ اے دست دعا ٹانگ تو لے بڑھ کے اٹر کی
جس شخص کا دل چاہتا ہو بننے کو پاگل ‏ گتھی وہی سلجھائے ترے موئے کمر کی
نازک ہے کلائی تری تیغ اٹھ نہ سکے گی ‏ عاشق نے یہ کہہ کہہ کے بلا ٹال دی سر کی

انگریزی کا یہ زور ہے بستے ہیں جہاں ترک
کہتے ہیں مسلمان، ظریف اب اسے ٹرکی

(۷۳)

وہ خوشی جس کو کہتے ہیں عید ‏ ایک دن ہو کے سال بھر نہ ہوئی
شب فرقت کچھ اس طرح رو ئی ‏ رات بھیگی پر آنکھ تر نہ ہوئی
ڈر تھا عادت خراب ہو جاتی ‏ آہ ہم صحبت اثر نہ ہوئی
گو پریشاں بہت ہوئی لیکن ‏ زلف اس کی تتر بتر نہ ہوئی
بید مجنوں کی ایک شاخ ہوئی ‏ وہ لچکتی ہوئی کمر نہ ہوئی
وہ بھی گونگے بنے رہے ہم بھی ‏ گفتگو قصۂ مختصر نہ ہوئی
اس نے بیمار کا گلا گھونٹا ‏ جب دوا کوئی کارگر نہ ہوئی
ایسی الفت کا اعتبار ہی کیا ‏ جو نیئر سے جو سینیئر نہ ہوئی
اس کو آیا کبھی نہ غترانا ‏ لومڑی دل کی شیر نر نہ ہوئی

(۷۴)

ہے جب عشق مشاطہ تو کیا ہو شادماں کوئی
ملی مجنوں کو بیوی اور نہ لیلیٰ کو میاں کوئی

گرے یارب اسی ہنگام میں بجلی نشیمن پر
چمن میں جب اجاڑے آکے میرا آشیاں کوئی

بیان عشق میں پہلے انھیں کا نام آتا ہے
زمانے بھر کے ٹھیکیدار تھے مجنوں میاں کوئی

بندھی جب رسٹ واچ اب وہ گھڑی بھی آنیوالی ہے
کلائی میں خوشی سے اپنے پہنے چوڑیاں کوئی

صفایا ڈاڑھی مونچھوں کا ادھر زلفیں ادھر غائب
میاں بیوی بنا کوئی بنی بیوی میاں کوئی

بھلا فیشن کا ہو بلیرڈ کھیلے تو مہذب ہے
مگر وہ نامہذب ہے جو کھیلے گولیاں کوئی

نہیں معلوم اردو میں اُسے کہئے تو کیا کہئے
مہذب پولٹری شو میں جو بھیجے مرغیاں کوئی

نہایت سہل ہے افسوس سے الفاظ واپس لے
جسے جی چاہے پہلے شوق سے دے گالیاں کوئی

(۷۵)

ضرورت ان کو مشاطہ کی ہوگی اب نہ شانے کی
قسم کھائی ہے اس گرمی میں سارا سر منڈانے کی

جوانی جوش پر آئی مہاسوں کی یہ کثرت ہے
بت کافر کا چہرہ ہے کہ لیا رام دانے کی

بجا نے اتنی محنت کی چھٹی کا دودھ یاد آیا
یہ کیا فرہاد کو سوجھی تھی جوئے شیر لانے کی
ارادہ ہے کہ اپنے خانۂ دل میں نہ رہنے دوں
کہیں عادت نہ پڑ جائے انھیں گھر بیٹھ جانے کی
یہ عاشق اپنے معشوقوں کو کیا شہدا سمجھتے ہیں
تمنا اس سے کرتے ہیں جو میت کے اٹھانے کی

(۷۶)

نبض ہی دیکھی نہ بیمار کی حالت دیکھی
تھرمامیٹر سے مسیحا نے حرارت دیکھی
ان کو مریل نہ سمجھئے یہ بڑے دھاوت ہیں
جیتے جی مر گئے عشاق کی عجلت دیکھی
خط دلدار کی حجام نے کر دی اصلاح
کوئی اعراب نہ دیکھا نہ اضافت دیکھی
یہ بھلا فاتحہ خوانی کا طریقہ ہے کوئی
جڑ دی ایک لات جہاں آپ نے تربت دیکھی
غیر نے بیچ میں جھنجھلا کے الف کھونس دیا
آپ نے اس کی حمیت کی حمایت دیکھی

(۷۷)

جب اسٹیشن کے باہر ریل گاڑی ہمنشیں نکلی
سوا انجن کے کس کے منہ سے آہ آتشیں نکلی
خدا کی شان ہے دیکھے موٹاپا کوئی اس بت کا
نہ نکلا آستیں سے ہاتھ آخر آستیں نکلی
ہوا ہوں غرق اتنا شاعری کے استعاروں میں
فلک پر چاند نکلا میں پکارا لو جبیں نکلی

ہوئی کل ہاتھا پائی یار اور اغیار میں ایسی
کسی کا پائینچا نکلا کسی کی آستیں نکلی

سنا جب اس کرے کے نیچے امریکن کے تلوے ہیں
کہوں کیا میں ظریف اس وقت پیروں سے زمیں نکلی

(۷۸)

پٹتے پٹتے جان نکلی عاشق جانباز کی
مار ڈالا تیرے غمزوں نے، دہائی ناز کی

آہ آتش بار ہے فرقت کی شب دیپک کا راگ
روشنی پھیلی ہے لو دیتی ہوئی آواز کی

آئی پیری اڑ گیا چہرے کا سب کندن سا رنگ
دیکھ لی صنعت ترے حسنِ ملمع ساز کی

گھوم کر تم نے جو دیکھا روح نکلی جسم سے
ایک نے تاؤ لگایا ایک نے پرواز کی

حسن کے سر پر چڑھا یوں خونِ ناحق عشق کا
لال پگڑی ہوتی ہے جس طرح برقنداز کی

نزع میں پکڑے ہوئے تھا اپنی داڑھی شیخ جی
رہ گئی دم اور مرغِ روح نے پرواز کی

بعد مرنے کے ملا دو گز کفن دو گز زمیں
یہ عنایت گورکن کی وہ میاں بزّاز کی

تیر تو گھٹنے پر مارا پھوڑ دی عاشق کی آنکھ
کج ادائی دیکھ لی تیرِ نگاہِ ناز کی

(۷۹)

گالیوں کی انھیں پروا ہے نہ بیزاروں کی
کیا حمیت ہے محبت کے گرفتاروں کی

تھوک دیتا ہے جو وہ مست کبھی پان کی پیک
دیکھ کر رال ٹپک پڑتی ہے میخواروں کی

نہ غذا کھاتے ہیں مطلق نہ دوا پیتے ہیں
ایسی تیسی مرض عشق کے بیماروں کی

رہنے والے تو مسافر عدم آباد کے ہیں
پھر یہ دنیا ہے سرا کون سے بھٹیاروں کی

دم آخر ملک الموت کی وہ شکل مہیب
دیکھ کر آنکھ ہی جاتی رہی بیماروں کی

سن کے ہوتی ہے ہر اک اہل زباں کو وحشت
سنسنی خیز ہے اردو مگر اخباروں کی

دیکھ کر حُسنِ حقیقی کا بتوں میں جلوہ
جذب باطن سے رگیں کھنچ گئیں زناروں کی

ساقیا رنگ زمانہ ہے تری مٹھی میں
عالم آشوب ہے چتون تیرے میخواروں کی

دشت وحشت کی طرف دل نے جو پھیلائے پاؤں
تلوے سہلانے لگی بڑھ کے خلش خاروں کی

سبزہ خط رخ جاناں پہ جو نکلا ہے ظریف
نظریں للچائی ہوئی پڑتی ہیں گھسیاروں کی

{۸۰}

جو غیرت مند طبع زاہد مسند نشیں ہوتی
تو یوں مرغی کے چگنے کی طرح کیوں ریزہ چیں ہوتی

غضب ہوتا اسی کے تحت میں تھی ناک کٹ جاتی
اگر خنجر کہیں ظالم تری چیں بر جبیں ہوتی

سراسر اہل عالم گاؤدی ہی گاؤدی ہوتے
اٹھائے سینگ پر دنیا اگر گاؤ زمیں ہوتی

ہزاروں چیونٹیاں اور مکھیاں آکر لپٹ جاتیں
لب شیریں میں اس بت کے جو شان انگبیں ہوتی

محبت میں جو دونوں دست پاچہ ہوکر رہ جاتے
نہ ان کا پائینچہ ہوتا نہ میری آستیں ہوتی

(۸۱)

نالہ کش بھی وقفِ لطفِ ناخنِ بیداد بھی
غالباً عشاق کے خارشت بھی ہے داد بھی

دیکھ کر تصویر میں ان کا دہن ان کی کمر
دیکھئے مانی بھی چمپٹ ہوگیا بہزاد بھی

سائے کی صورت رقیب روسیہ ہے ساتھ ساتھ
ہے انھیں کی دُم کے پیچھے یہ سگ ہمزاد بھی

کاٹ کر نلیا نکالی دودھ پینے کی سبیل
جیسے بی شیریں کی انّا تھے میاں فرہاد بھی

(۸۲)

عشاق جانتے ہیں کہ ہے آنکھ میں فتور
ناحق حضور آپ نے ترچھی نگاہ کی

چونری بنے گی خوب اگر دستیاب ہو
ڈاڑھی جناب شیخ مشیخت پناہ کی

دیوانہ ہوگیا ہے سگِ کوئے یار تو
لیتا ہے ٹانگ بڑھ کے ہر اک خیر خواہ کی

کیا خاک جاؤں کوچۂ دلدار میں ظریف
اٹھ اٹھ کے روکتی ہے مجھے گرد راہ کی

(۸۳)

بریدہ حلق صدائیں بلند خرخر کی
گلی میں ان کی یہ کثرت ہے خونِ خنجر کی
ہمیشہ ناقہ لیلیٰ کی دُم کے ساتھ رہے
جناب قیس کو کچھ سُدھ نہیں تھی گھر در کی
جہاں میں جس قدر انسان ہیں شریر النفس
ضرور نسل سے ہیں ڈارون کے بندر کی
وہ شوخ قبر کو ٹھکرانے پھر نہیں آیا
لحد پہ لوح لگائی جو سنگِ مرمر کی

(۸۴)

بُردباری دیکھ لی جب اُشترِ بغداد کی
اونٹ گاڑی حضرتِ انسان نے ایجاد کی
میں نے دیکھا خواب جیسے آپ نے بیداد کی
جب تو خراٹوں سے آتی ہے صدا فریاد کی
ڈارون صاحب نے ایک تھیوری نئی ایجاد کی
حضرتِ آدم خبر اب لیجئے اولاد کی
عمر جوئے شیر لانے میں عبث برباد کی
اس خطا پر بخشتی کیا دودھ ماں فرہاد کی
منہ لگاتا قیس کو کس طرح پھر لیلیٰ کا باپ
کون سسرا قدر کرتا ہے کسی داماد کی
چیختا بھاگا کوئی عاشق سے انجن بن گیا
رفتہ رفتہ اس قدر لے بڑھ گئی فریاد کی
ہر ادا پیٹنٹ کروالے تو لاکھوں ہاتھ آئیں
قدر یورپ میں بہت کچھ ہو ستم ایجاد کی
آپ کا بچہ بہن، کنجر ہے میرا بھوٹیا
مادرِ مجنوں سے کہتی تھی یہ ماں فرہاد کی

(۸۵)

مرا مرزدور اگر جھکتا بڑی تقصیر ہو جاتی
لئے تھا خوانچہ فرنی کا ٹیڑھی کھیر ہو جاتی
زمین کوئے دلبر کو گڑھیا سب بنا دیتے
اگر خاک در جاناں کہیں اکسیر ہو جاتی
قیامت تک نہ پیتا دودھ کوئی گلئے ماتا کا
جو بچھیا اس کی پنڈت جی کہیں ہمشیر ہو جاتی
اگر منہ میں کسی گونگے کے ہکلے کی زباں ہوتی
بیاں شاید ہمارے خواب کی تعبیر ہو جاتی
کسی مسجد میں پھر کوئی موذن کیوں جگہ پاتا
انھیں مرغوں کی کگڑوں کوں اگر تکبیر ہو جاتی

(۸۶)

قبر کے اوپر مسہری خالی خولی نام کی
بھائیوں مردوں سے ایسی دل لگی کس کام کی
نر ہے یا مادہ عجب ترکیب ہے اس نام کی
کچھ حقیقت ہی نہیں کھلتی ہی سیتارام کی
آنکھ کے ڈھیلے پھرا کر حسن کے بازار میں
وہ حسینوں کی صدائیں لے گری بادام کی
بادۂ نخوت بھرا رہتا ہے اس میں کس طرح
کھوپڑی انسان کی ہے شکل اوندھے جام کی
غیر کا قبضہ نہ ہو اس گھر پہ گر یہ خوف ہے
دل پہ اک تختی لگا دونگا تمہارے نام کی
عاشق زلف رسا لے اگر موقع ملے
آپ کے سر کی بلائیں تیغ سے حجام کی
پھوٹ نکلا خون دل فکر مئے معشوق میں
ایسی تیسی عاشقوں میں گردش ایام کی

توسنِ عمر گریزاں کی ہے یہ اک یادگار
بال کھچڑی دُم میں ہیں جو ابلق ایام کی
وقت پیری قبر کی ظلمت کا یوں ہے انتظار
فکر چمگادڑ کو جیسے دن رہے سے شام کی

(۸۷)

پنہلاتے وقت کرتا قیس کو یہ تھی دعا ماں کی
الٰہی خیر کرنا میرے بچے کے گریباں کی
پرانے وقت کے عاشق یونہی غم کھاتے رہتے ہیں
چھری کانٹے کی حاجت ہے نہ اسکو خانساماں کی
مژہ تیر ایک ابرو تیغ ہے تو دوسرا خنجر
سلح خانے کی ہے فہرست یا تصویر جاناں کی
دل عاشق کے کنکر اس لئے منگوائے جاتے ہیں
بنائے گی سڑک میونسپلٹی کوئے جاناں کی
بلا کی طرح سب عاشق چمٹ جائیں گے معشوقو!
سوال وصل پر بھولے سے بھی تم نے اگر ہاں کی
دل عاشق کا ڈول اس میں پہنچنا سخت مشکل ہے
جگت سینے سے ہے اونچی ترے چاہ زنخداں کی

(۸۸)

آئی یہ فصل، گردش لیل و نہار سے
گورے ہزاروں مر گئے کالے بخار سے
پیچش بڑھی جو جان بچی کچھ بخار سے
باز آئے ایسی مونگ پھلی کی ٹنگار سے
بیوی کی روٹی کھاتے ہی نواب ہو گیا
شادی ہوئی کسی کی اگر مالدار سے

(۸۹)

اسے بھی کام ٹھوکر سے اسے بھی کام ٹھوکر سے
مشابہ کس قدر فٹ بال ہے عشاق کے سر سے
یہیں پر تھے حسینوں کے مکاں اگلے زمانے میں
صدا آتی ہے اب تک "سر کٹے نالے" کے اندر سے
بس اتنا شعلۂ حسنِ رخِ جاناں سے کھٹکا ہے
کہیں زلفِ معنبر جل نہ جائے ایک دن بھر سے
جنوں کے زور میں مرنے پہ بھی پنجہ لڑاتی ہے
مرے دل کی حرارت آفتاب صبح محشر سے
بھرا ہے اس میں جذب شوق کی قوت کا سب جوہر
اب ان کے در کا پتھر ٹوٹتا ہے میری ٹکر سے
انھیں جب ارتباطِ عہد طفلی یاد آتا ہے
سمجھ کر ماں لپٹ جاتے ہیں وہ آغوش بستر سے

(۹۰)

بھونپو کی طرح زور سے نالہ کریں گے ہم
انجن کی طرح آہ شرربار کر چکے
یہ تو حکیم آکے کئی بار کر چکے
انداز نبض ناقۂ بیمار کر چکے

(۹۱)

ایک حقّے میں پلا دیتا ہے میلے بھر کو — کیا ہی ساقی ترا چلتا ہوا میخانہ ہے
آتے ہیں ہو کے گرفتار جہاں مجرم عشق — بزم معشوق نہیں ہے یہ کوئی تھانہ ہے
مئے طلب کرنے پر افلاس نشے رو دیتا ہے — آنکھ ساقی کی چھلکتا ہوا پیمانہ ہے
فاقہ مست اس کے جو چلتے ہیں گرے پڑتے ہیں — قحط کہتا ہے یہی لغزش مستانہ ہے
آتش حسن سے ہو جاتے ہیں عاشق بیہوش — پھر تو مرگی کا مرض جلوۂ جانانہ ہے

(۹۲)

غنچہ دہن وہی ہے کہ گونگا کہیں جسے
ہے سرو قد وہ اصل میں لنگڑا کہیں جسے
معشوق چاہیئے کہ ہو ایسا سیاہ فام
مجنوں میاں بھی دیکھ کے لیلیٰ کہیں جسے
کہتے ہو گرچہ دید کے قابل ہو روئے یار
ایسا تو ہو کہ لوگ تماشا کہیں جسے
سب انگلیاں جھکا کے انگوٹھا اٹھایئے
بن جائے گی وہ شکل کہ ٹھینگا کہیں جسے
آتا ہے دوپہر میں بنارس سے لکھنؤ
کیا تیز رو وہ آم ہے لنگڑا کہیں جسے
سب جانور نہ حضرت انساں سے کیوں ڈریں
پیدا ہیں اس کے پیٹ سے ہوّا کہیں جسے

(۹۳)

کُلھیا سے منہ کھلا تیرے در پر لئے ہوئے
ساقی میں گھر سے آیا ہوں ساغر لئے ہوئے
طالب ہیں خواب مرگ کے آوارگان عشق
تکیے کی سمت جاتے ہیں بستر لئے ہوئے
خمدار ناک والوں کا نتھنوں میں دم ہے آج
نکلا ہے کوئی ہاتھ میں خنجر لئے ہوئے
مجنوں میاں نے جب سے گھٹایا ہے اپنا سر
لیلیٰ کا ساربان ہے سیپر لئے ہوئے

(۹۴)

حسینو سبزہ رخ کی کرو اپنے نگہبانی
تمہارے ہی غزالِ چشم اک دن اسکو کھا لیں گے
ہمارے دل کے آئینے میں گنجائش کہاں اتنی
تری تصویر کا اک قدِ آدم چوکھٹا لیں گے
انھیں سمجھو کہ یہ گاوِ زمین کے سینگ ہیں گویا
مرے نالے شب فرقت زمیں سر پر اٹھا لیں گے

(۹۵)

کچھ نیک وید کی آپ کو پہچان ہی نہیں ابتک حضور آپ وہی بانگڑو رہے
خمخانہ جہاں میں یہ کیفِ مئے نشاط بیکار ہے جو پیٹ کا خالی سبو رہے
میونسپلٹی کو وہی پاخانہ ہے پسند گھر بھر میں تارکول کی جس جگہ بو رہے
چالان ہو جو بمبے پر جاکر نہائیے کس طرح یہ بتائیے پھر آبرو رہے

ہم ان کو کیا کہیں جو زمانے میں اے ظریف
کہنے کو مرد دیکھنے میں مادہ رو رہے

(۹۶)

ہجر کی شب کا عبث ان سے گلہ ہوتا ہے جن کو معلوم نہیں وصل میں کیا ہوتا ہے
کسی انسان سے انسان کا محبت کرنا کام اچھا ہے پر انجام برا ہوتا ہے
کوئے جاناں میں مزہ دیتے ہیں اکثر نالے ہوتی ہے ان کی گلی اپنا گلا ہوتا ہے
کبھی ماداؤں کے ملنے سے بھی بنجاتا ہے نر جمع ہو جائیں جو پریاں تو پرا ہوتا ہے

(۹۷)

قتل کیوں کر ہوتے ہیں تیغ نگاہ ناز سے
کوئی بھی سی آئی ڈی واقف نہیں اس راز سے
نجد کا میدان طے کس بردباری سے کیا
اونٹ بازی لے گیا لیلیٰ سمندِ ناز سے

ہو گیا معشوق کو جس روز سے آشوب چشم
خون ہی ٹپکا کیا تیغ نگاہِ ناز سے

اونٹ بھڑکا نجد میں محمل سے لیلیٰ گر پڑی
قیس چلایا کچھ اس وحشت بھری آواز سے

جھونجھ سے سینے کے پھراندڑے کی صورت ہو گیا
مرغ دل محروم ابتک ہے پر پرواز سے

اللہ اللہ وہ بت نازک کہ گھنٹی تنگ ہے ظریفؔ
مول کھدر لے قبا کے واسطے بزاز سے

(۹۸)

فریاد کیوں کریں وہ جن کا گزر نہیں ہے
کوئے حبیب ہے کوئی خالہ کا گھر نہیں ہے

تہذیب کے تھے پتلے بیشک جناب آدم
صحبت میں ان کی ذکر مادہ بدر نہیں ہے

اسکو تمہارا وعدہ سمجھوں تو ناسمجھ ہوں
جس میں اگر نہیں ہے جس میں مگر نہیں ہے

کچھ مادہ نہ ہو تو مادہ سے ہے وہ بدتر
کس کام کا وہ نر ہے جس میں ہنر نہیں ہے

بیمار فیس دے کر گھر پر جسے بلائے
رشک مسیح ہے وہ کچھ ڈاکٹر نہیں ہے

بنوٹ سے شام فرقت کچھ اس طرح سے دیا
چشم ظریفؔ بالکل تے۔ رے۔ زبر نہیں ہے

(۹۹)

یہ دیکھ کر کہ خاکسار راہ میں ہے
وہ پوچھتے ہیں یہ کیسا چہار راہ میں ہے

نئی یہ اس نے نکالی ہے طرز استنجا
کہ خود کھڑا ہے لب بام دھار راہ میں ہے

(۱۰۰)

شعلہ بار آہیں بھی کیں گھوما کیۓ مضطر بنے
گردش تقدیر عاشق بن کے گھن چکر بنے
تیز رفتاری سمند ناز کی بڑھ جاۓ اور
زلف پیچاں کا اگر اس کے لیۓ ہنٹر بنے
بے عمل عالم اگر ساری کتابیں چاٹ جاۓ
آدمی تو بن نہیں سکتا وہی جھینگر بنے
جس نے چوکھٹ پر تمہاری بیچ ادھر میں جان دی
اس کی قبر اندر بنائی جاۓ یا باہر بنے
عاشق مفلس تمہارے حسن کی بازار میں
دل کے ٹکڑے بیچنے کو لال سوداگر بنے
شاعری بیکار شے ہے اس زمانے میں ظریفؔ
نام کی خواہش ہے جسے ہو قوم کا لیڈر بنے

(۱۰۱)

تم کترڈالو اگر بال تو الجھن گھٹ جاۓ
مختصر قصۂ طولِ شب ہجراں ہوجاۓ
شمع فانوس کا پہنے ہوۓ لہنگا ہے کھڑی
کیا کرے کوئی اب اس کی بھی جو عریاں ہو جاۓ
ڈالیاں خوب بڑے دن میں رگائیں عشاق
دو دو پیسے جو کہیں سیب زنخداں ہو جاۓ

(۱۰۲)

یارِ گویا اک مسالہ پیسنے کی سِل بھی ہے
جب تو بٹے کی طرح پتھر کا اس کا دل بھی ہے
فصل سرما میں حسین لڈو بنا کر بیچ لیں
لب میں شیرینی بھی ہے چہرے پر صد ہا تل بھی ہے
جس جگہ پر ہو سڑی سودائیوں کا اک ہجوم
ہے وہ پاگل خانہ بھی اور یار کی محفل بھی ہے
پوچھ گچھ کرنے کو مردے سے نکیرین آئیں گے
پھر تو اک تھانہ پولیس کا قبر کی منزل بھی ہے
مرنے والوں کی بنائی جاتی ہوں قبریں جہاں
نام تکیہ بھی ہے اس کا کوچۂ قاتل بھی ہے
پیٹ میں ہوں جس کے دو بچے رہے وہ حاملہ
حال بھی پیدا مضارع سے ہے مستقبل بھی ہے

(۱۰۳)

کبھی عاشقوں کو فرصت نہیں نالہ و فغاں سے
کوئی کس طرح سے چھینکے کوئی کس طرح سے کھانسے
یہ سودیشی تار برقی کا ہے اک پرانا آلہ
چلی آرہی ہیں دل میں خبریں کہاں کہاں سے
مجھے خاک اڑانے میں ہے یہ کمال آج حاصل
ابھی کہئے تو ملا دوں میں زمیں کو آسماں سے

(۱۰۴)

مجنوں یہ پوچھتا تھا لیلیٰ کے ساربان سے
بتلاؤ مول لائے یہ اونٹ تم کہاں سے
پیری و ناتوانی کیا لطف شعر خوانی
اک شعر پڑھنے بیٹھے دو چار بار کھانسے
ابرو پہ جن کے بل ہے کہہ دو ظریفاں سے
آئے ہیں آپ لڑنے ٹوٹی ہوئی کماں سے

(۱۰۵)

بتا بیداد گر جز نالہ و فریاد کیا کرتے
ترے عشاق جن کے ہو گیا تھا داد کیا کرتے
عروسانِ چمن کا بیاہ بے دولھا کی محفل تھی
عنادل چونچ سے شور مبارک باد کیا کرتے
چھٹی کا دودھ یاد آتا تھا جوئے شیر لانے میں
نہ سر کو پھوڑتے تو حضرت فرہاد کیا کرتے
حسینانِ جہاں بھی کوئی آندھی یا بگولا تھے
جو مل جاتی کسی کی خاک وہ برباد کیا کرتے
تمہارے مصحفِ رخ کو زبانی یاد کر لیتے
جو عاشق تم پہ ہوتے کور مادر زاد کیا کرتے
غم خلد بریں میں جب ظریف آدم نے رحلت کی بجز غم وقف وہ آخر علی الاولاد کیا کرتے

(۱۰۶)

پاس جس وقت گیا مار دی اک لات ب مجھے
کبھی ممکن نہ ہوئی ان کی ملاقات ب مجھے
رنگ غصے میں بدلتے ہیں وہ گرگٹ کی طرح
حسن کی اپنے دکھاتے ہیں کرامات ب مجھے
سرد مہری کو تری دیکھ کے رو دیتے ہیں غیر
اب کی جاڑے میں نظر آتی ہے برسات ب مجھے
بوتلیں بیچتے نخاس میں دیکھا اُس کو
کس جگہ جا کے ملا پیرِ خرابات ب مجھے

(۱۰۷)

حکم شیریں سے بنائی نہر یہ مشہور ہے
کوہکن کچھ بھی نہیں جورو کا تو مزدور ہے
تیز رو ناقہ ہے مجنوں ناتواں مجبور ہے
اُس پہ بی لیلیٰ کا یہ کہنا کہ دلی دور ہے
طورِ منبر کو کہا جائے تو اس میں کیا کلام
حضرت واعظ کی ڈاڑھی جب خدا کا نور ہے
یاد خالق پہلے تھی اب دل میں ہے عشقِ صنم
جو الہ آباد تھا فی الحال سیتا پور ہے
دست لیلیٰ میں دلِ مجنوں ہے یارب خیر کر
اونٹ پر سے چھٹ پڑا شیشہ تو چکنا چور ہے
جلوۂ ریشِ مبارک سے ہوا بیہوش کون
شیخ جی فرمائیں یہ کیسا خدا کا نور ہے
واجب التعظیم ہیں ارکانِ معراج الادب
شاعری جزو یست از پیغمبری مشہور ہے

(۱۰۸)

خواصِ چند جو پائے جناب میں میں نے
تو دی جگہ دل خانہ خراب میں میں نے

خیال سبزۂ خط یا عارض رنگین
کہاں سے بھنگ ملادی شراب میں میں نے

لگائیں ضرب وہ اور میں کہوں کہ یا قسمت
بہت بڑی غلطی کی حساب میں میں نے

میں واقعی انہیں سمجھا کہ سانپ والا ہے
جو دیکھی زلف سیہ پیچ و تاب میں میں نے

گڑی ہوئی ہے نظر ان کے روئے رنگیں پر
نئی یہ شاخ لگادی گلاب میں میں نے

کرے خوشی سے خود انسان اپنا منہ کالا
عجیب رنگ یہ دیکھا خضاب میں میں نے

نکل سکے نہ کسی طرح اتنے غوطے دئے
انھیں ڈھکیل کے چشم پر آب میں میں نے

چلا رقیب کا جب دل تو اور گالیاں دیں
ظریف مرچ لگادی کباب میں میں نے

(۱۰۹)

بوقت ذبح آتی ہے صدا یہ حلقِ بسمل سے
بلا لیسنس ہے تلوار چھن جائے گی قاتل سے

یہاں تک رفتہ رفتہ اس زمانے نے ترقی کی
سمندر ناز چکرانے لگا آخر کو سیکل سے

شہیدان وفا کا خون اتنا جم گیا اس پر
کہ آخر کھا رو اشرما گیا دامانِ قاتل سے

(۱۱۰)

ڈاڑھی مونچھیں صاف ہیں مثلِ قلندر دیکھیے
مادہ رو ہیں مغربی تہذیب کے نر دیکھیے

ڈال لیجیے اپنے رُخ پر آپ جالی کی نقاب
بند کر کے حُسن کی دوکاں کا شٹر دیکھیے

بھرتے ہیں کیسی چھلانگیں ارتقا کے پیڑ پر
مورثِ اعلیٰ ہیں جن لوگوں کے بندر دیکھیے

اُن سے بچیے آپ جو بوسے کے طالب ہیں حضور
مصحفِ رُخ چاٹ جائیں گے یہ جھینگر دیکھیے

کیجیے یوں چار آنکھیں عاشقوں کے سامنے
اس طرف جب دیکھیے عینک لگا کر دیکھیے

اس کرنجی آنکھ پر عشاق کا دل آگیا
ہو گیا مانوس بلی سے کبوتر دیکھیے

لیڈری سستی ہوئی ہر چیز مہنگی ہو گئی
اب تو اک آنے میں مل جاتا ہے لیڈر دیکھیے

جن کو بھائی تھی بہت بہائے شیریں کی مٹھاس
ان کے قارورے میں اب آتی ہے شکر دیکھیے

خوابِ غفلت کیا حماقت ہے سرائے دہر میں
خود ہی سونے میں صدا آتی ہے خرخر دیکھیے

رات بھر کیوں چین سے سونے نہیں پاتے ظریفؔ
یادِ جاناں کیا ہے کھٹمل ہے کہ مچھر دیکھیئے

(۱۱۱)

یوں کفن بہرِ شہیدانِ وفا دینے لگے
ناپ کر ہر ایک کو دو گز کھاروا دینے لگے

منہ پھُلا کر تشنہ کامانِ محبت کو حضور
شربتِ دیدار کا پورا گھڑا دینے لگے

جب سے عاشق ہو گئے اُس بت پہ کیدار تک
سونے والو جاگتے رہنا صدا دینے لگے

جھوٹے عاشق اس سے بڑھ کر اور کیا دیتے ثبوت
ہو گئے گندہ دہن بوئے وفا دینے لگے

پیٹ ضبطِ آہ سے عشاق کا پھولا جہاں
دھونکنی کی طرح سے نتھنے ہوا دینے لگے

سسکیاں لیں منہ بسورا عاشقوں کے سامنے
وہ کھجا کر داد کو دادِ وفا دینے لگے

ہو گئے عشاق بھک منگے الٰہی خیر ہو
آپ کی صورت جہاں دیکھی دعا دینے لگے

جب مسیحا سے نہ اچھے ہو سکے بیمارِ غم
ہو کے کھسیانے سبھوں کو سنکھیا دینے لگے

خوش ہوئے جس شعر پر تالی بجادی اے ظریف
شاعروں کو لوگ انگریزی صلا دینے لگے

(۱۱۲)

جب دوبارہ کسی عاشق کا جنم ہوتا ہے
اک وفادار سگِ کوئے صنم ہوتا ہے
تیرا عاشق ہے مگر ضبط کی اُلٹی تصویر
چیخ اٹھتا ہے کبھی درد جو کم ہوتا ہے
خانہ ویرانی عاشق کا ہے ساماں معشوق
سبزہ رویوں میں ہر اک سبز قدم ہوتا ہے
تین حرف اُن پہ جو کرتے نہیں اتنی سی بات
کاف رے میم کے ملنے سے کرم ہوتا ہے
کھاتے پھرتے ہیں قلابازیاں عشاق تمام
کوئے قاتل میں شب و روز اُدھم ہوتا ہے
مجھ کو معلوم نہیں درد ہے یا کیا شئے ہے
کچھ مرے دل میں تیرے سر کی قسم کیا ہوتا ہے

(۱۱۳)

پسینہ خالِ رخ پر ہے یہ تخئیل قدیم ان کے
گلاب تن میں بھیگا نظر بھدا نہ آتا ہے
صفت تو دیکھئے ہر چند ہمت ہی مونث خود
پہن کر یہ زنانہ جانگیا مردانہ آتا ہے

(۱۱۴)

یہ بحث اب حکیم میں اور ڈاکٹر میں ہے
سرعت یہ کیسی نبض نسیم سحر میں ہے
چندیا میں وہ چمک ہے کہ جو مال و زر میں ہے
قارون ہے اپنے وقت کا وہ گنج سر میں ہے
معشوق کا حسین تو ہونا ہے لازمی
اب بحث جس قدر ہے وہ مادہ و نر میں ہے
ہم ان کی چشم مست کو ساغر تو مان لیں
لیکن ہمیں کلام ذرا سا کگر میں ہے
گویا یہیں ہے درہم داغ جنوں کا بنک
تیر نگاہ ناز کا پہرا جگر میں ہے
عاشق کو تیری باتوں میں اچھو جو ہو گیا
تالا پڑا ہوا ابھی باب اثر میں ہے

(۱۱۵)

دور تک آہ رقیبوں کو بھگا آتی ہے
مچھر اڑ جاتے ہیں جس وقت ہوا آتی ہے
گالیاں دیتے ہیں سب جان کے دیوانہ ترا
رات کو جب کسی الو کی صدا آتی ہے

(۱۱۶)

یہ اچھی دل لگی عاشق سے کی حسرت بھرے دل نے
جہاں وصلت کا نام آیا یہ پہلے سے لگا ہلنے
نہ اپنے گھر نہ اس کی تیغ ہی کے گھاٹ تک پہنچا
بسر دھوبی کے کتے کی طرح کی مضطرب دل نے
خبر لیں مولوی صاحب کہ طُلّاب مدارس کو
کیا بدنام بے ترکیبیٔ مفعول و فاعل نے

(۱۱۷)

عشق ہو زہرہ جبینوں سے بڑا دل چاہیئے
پیٹ کوٹھی دار مثلِ چاہ بابل چاہیئے
رونی صورت عاشقوں کی دیکھ کر بے اختیار
غنچہ رویوں کے لئے ہر وقت کِھل کِھل چاہیئے
سچ تو یہ ہے قوم کے بیلی ہیں وہ عاشق نہیں
جو یہ کہتے ہوں ترے رخسار کا تِل چاہیئے
جہل بھی جب منتہائے علم ہے بھائی ظریف
پھر تو ہر عالم کو خود تقلید جاہل چاہیئے

(۱۱۸)

شکل مل جاتی جو میری قیس کی تصویر سے
عقد کر لیتا میں اے لیلیٰ تری ہمشیر سے

جن کی قسمت میں یہ لکھا تھا بنیں کولھو کے بیل
بن گئے عاشق تمہارے گردش تقدیر سے

ان بڑی آنکھوں میں کیا چھوٹی سلائی کام دے
ہو قدر انداز تم سرمہ لگا لو تیر سے

عاشقوں کے باپ سے بھی وہ پڑھی جاتی نہیں
آپ کی تحریر ملتی ہے خط تقدیر سے

سامنے جب آئے تم آنکھوں پہ پردہ پڑ گیا
ہے شب دیجور پیدا حسن کی تنویر سے

دودھ پنڈت جی پئیں لیکن رہے اس کا خیال
گائے ماتا ہے تو بچھیا کم نہیں ہمشیر سے

(۱۱۹)

کسی سارس ہی میں ہے اور نہ کسی قاز میں ہے
جس قدر سمع خراشی تری آواز میں ہے

یار مقتل میں کبھی خواب گہہ ناز میں ہے
ہے مذکر کہ مونث یہ ابھی راز میں ہے

اک جہاں سن کے جسے کان کھڑے کرتا ہے
اتنی طاقت مری بیٹھی ہوئی آواز میں ہے

(۱۲۰)

وحشت میں ہر اک نقشہ الٹا نظر آتا ہے — مجنوں نظر آتی ہے لیلیٰ نظر آتا ہے
اے مرغِ سحر گرڈوں کوں بول کہیں جلدی — تو بھی شبِ فرقت میں گونگا نظر آتا ہے
ڈاڑھی کو تیری واعظ سب دیکھ کے کہتے ہیں — وہ قصرِ تقدس کا چھجا نظر آتا ہے
اعجازِ تخیل ہے بے وصل کے عاشق کو — آغوش میں جاناں کی بچا نظر آتا ہے
باز آئے محبت سے اے عشق خدا حافظ — الفت میں جسے دیکھو اندھا نظر آتا ہے
اس مزرعِ دنیا میں اوروں کے ڈرانے کو — واعظ تو ہمیں خالی دھوکا نظر آتا ہے
جے کہتے ہو گاندھی کی جس وقت مسلمانو! — اسلام کے ماتھے پر قشقا نظر آتا ہے

(۱۲۱)

شوخیِ دستِ جنوں فتنہ ساماں دیکھئے — ناف تک پہنچی حدِ چاک گریباں دیکھئے
چیتھڑا ہے پیر گردوں کی قبائے کہنہ کا — ماہِ نو کو اب نہ کہئے گا گریباں دیکھئے
عشق میں ملحوظ رکھیئے طرز تعلیم قدیم — ابتداءً مامقیما پھر گلستاں دیکھئے
ناز نے لیلیٰ کو جب سے لے لیا ہے گود میں — غم نے مجنوں کو چڑھایا ہے گھڑیاں دیکھئے

دو ہی نام آور ہیں دنیائے تمدن میں ظریف
شاعروں میں میر اور شہدوں میں شیطاں دیکھئے

(۱۲۲)

پڑی ہیں چتیاں خونِ جگر کا رنگ شامل ہے — الہ آباد کا امرود یا عشاق کا دل ہے
گراں کیونکر نہ گزرے عاشقِ نادار مفلس پہ — خطِ رخسارِ جاناں حُسن کی دکان کا بل ہے
غضب تو یہ ہے برسوں خون تھوکا جس کے عاشق نے — مسیحا ہو کے وہ آیا تو یہ سمجھا اسے سِل ہے

دہن غائب کمر معدوم اس پر حسن کا دعویٰ　　حسین ایسا اگر ہو تو عجائب گھر کے قابل ہے

لگی ٹھوکر تو سارا عشق لیلیٰ دب گیا آخر　　کہ نیچے قیس اوپر اونٹ ہے اور اس پہ محمل ہے

پھنکے جاتے ہیں عاشق شعلۂ رخسارِ جاناں سے　　تمہیں انصاف سے کہہ دو یہ مرگھٹ ہے کہ محفل ہے

لگائے ٹائی کالر بزم میں بیٹھا ہے کرسی پر
ظریف اس عہد کا معشوق کتنا فیشن ایبل ہے

(۱۲۳)

دل لگی کا کچھ خدا کے گھر میں ساماں کیجئے
آج ہر مسجد تبسم سے گلستاں کیجئے

چڑھ کے گلدستہ کے اوپر قہقہا اک ماریئے
کیوں اذاں سے نیند لوگوں کی پریشاں کیجئے

ہو سکے تو بھیرویں میں صبح کی پڑھیے نماز
راگنی کافر ہے اس کو یوں مسلماں کیجئے

اک پیانو لے کے منبر کی جگہ رکھ دیجئے
اتفاقاً وعظ کا گر ساز و ساماں کیجئے

پہلے ہی سے اک جامِ مے محراب میں رکھا رہے
مفت میں کیوں انتظارِ ابرِ باراں کیجئے

طائرانہ اک نظر اس پر بھی ہونا چاہیے
آپ اپنی رائے سے تفسیرِ قرآں کیجئے

آپ کے نزدیک اب تک شاعری محدود ہے
توڑ دیجئے کل حدوں کو اور میداں کیجئے

دَورِ آزادی میں اس کو اتنی وسعت دیجئے
برِّ اعظم یا کم از کم اک بیاباں کیجئے

وہ بیاباں قیس جس میں گھومنے پھرنے نہ پائے
عاشقوں کو اس طرح پابند زنداں کیجئے

رنگ بدلے شاعری کا شرع بھی تبدیل ہو
شاعر اور ملّا کو یوں دست و گریباں کیجئے

مسکرا دیں کان طرزِ نو کی سُن کر شاعری
کوششیں اس طرح کی جی بھر کے جی ہاں کیجئے

بے حجابانہ تبسم پاشں ہو جائے کلام
فکرِ دوشیزہ کو یوں محفل میں عُریاں کیجئے

طرح کے مصرع سے ظاہر ہو گیا ذوقِ سلیم
آپ جس پردے میں چاہے اسکو پنہاں کیجئے

امتحاں ذوقِ سماعت کا ہے اس پر منحصر
شاعروں کو انڈیا بھر کے غزل خواں کیجئے

رکھیے مہماں تین دن سب کو بلا کر کان پور
پارٹی اور دعوتیں تا حدِّ امکاں کیجئے

نزع کی حالت میں صورت مسخ ہو کر رہ جائے
نیم جاں اردو پہ اتنا آپ احساں کیجیے
تھی یہ فرمائش نئی اس پر ہنسی آئی ظریفؔ
آج ہر مسجد تبسّم سے گلستاں کیجیے

(۱۲۴)

مجھ سے ان سے صرف اتنی بات پر تکرار ہے
تیغ وہ کہتے ہیں میں کہتا ہوں یہ تلوار ہے
وصل ناممکن ہے اب دونوں کو چھٹی ہو گئی
جمعہ ہے ان کے یہاں میرے یہاں اتوار ہے
فرطِ غم سے ہڈیوں کا صرف ڈھانچہ رہ گیا
اب عجائب گھر کے قابل آپ کا بیمار ہے
مختصر تعریف حسن و عشق ہے بس اس قدر
کچھ نہیں ہے شاعروں کے جھوٹ کا طومار ہے
کفش برداری سے اتنا فائدہ حاصل ہوا
ان کے عاشق کے گلے میں جوتیوں کا ہار ہے
جس کی مٹھی میں رہے دُزدِ حنا ایسا حسین
نام کو معشوق ہے در اصل تھانیدار ہے
فاتحہ پڑھنے ظریفؔ آئے گا وہ کیا قبر پر
یار چل سکتا نہیں اب اس قدر بیمار ہے

(۱۲۵)

بیٹھنے پر نہ بھری ہامی کسی دائی نے
اتنے کھٹمل کئے پیدا تری چرپائی نے

پا بہ گِل آہ کیا چاہ کی گہرائی نے
لی خبر بھائی نے یوسف کی نہ بھوجائی نے

کوئی پیسہ نہ دیا ایک تماشائی نے
سینکڑوں کھائیں قلابازیاں سودائی نے

وہ سمجھتے ہیں کہ گھٹوا کے بنے آئینہ رو
میں سمجھتا ہوں انھیں مونڈ لیا نائی نے

وہ ترا چہرہ رنگین وہ ترا حُسن صبیح
چائے کا لطف دوبالا کیا بالائی نے

مرکز کوہ الم دل کا سیہ نقطہ ہے
بوجھ پربت کا سنبھالا ہے اسی رائی نے

چاک دامن کا سبب شرم سے بتلا نہ سکے
پوچھا جب حضرت یوسف کے بڑے بھائی نے

ترے عاشق کے زچہ خانے میں آئی تھی وہی
قیس و فرہاد کو جنوایا تھا جس دائی نے

دُوسرا حِصّہ

مُتفرّقات

ازل میں عشق کے سبجکٹ پر تھا امتحاں میرا
وہی پرچہ چرا کر لے گئے مجنوں میرا

باتیں کرتا تھا اشاروں سے مگر خاموش تھا
آپ کے عاشق کو پاگل پن میں اتنا ہوش تھا
ڈھانکے رکھا آپ کی الفت کو ایسے حُسن سے
کاسۂ سر عاشقوں کے قلب کا سرپوش تھا

تمہارے طاق ابرو پر چڑھادوں
میرا دل بھی ہے کوئی گُگ گُلا کیا

نہ میں کلرک نہ دیوانجی بتایئے تو
بروزِ حشر حساب و کتاب کیا کرتا
کیا بڑھوتی میں بیٹھے بٹھائے منہ کالا
اب اور کہیئے تو رنگ خضاب کیا کرتا

مدفن وہیں ہے کشتۂ ابروئے یار کا
پتّا لگا ہوا ہے جہاں گھیکوار کا

اس طرح ہیں سیاروں کی بولی کا رنگ، ہے
سب مل کے غل مچاتے ہیں شب کو ہوا ہوا
اس بُت سے کل یہ پوچھ رہا تھا مجسٹریٹ
دل جانتا ہے تم کہ تمہیں کیوں سزا ہوا؟
دربان کو دیکھئے گا کہ بل ڈاک کی طرح
در پر کسی کے بیٹھا ہے کیسا ڈٹا ہوا
کثرت سے قافیوں کی یہ حالت ہے اب ظریفؔ
گویا کہ ہے دماغ ٹکٹ گھر بنا ہوا

سوجی ہوئی ہیں ڈاڑھیں دو چار منہ کے اندر
ہے قدرت خدا سے کہسار منہ کے اندر
تعطیل میں نہ روزہ رکھ او بُتِ فرنگی
تو نے کیا مقرر اتوار منہ کے اندر

کان میں تیل ڈالنے کی ہے قیف　　　سب کرن پھول جس کو کہتے ہیں

نکل جائے گا دم کے ساتھ فوراً عشق بی لیلیٰ　　　جو تم پر لات ناقے نے کہیں مجنوں میاں کھدی

ہاتھ میں لے کے کبھی زلف گرہ گیر کا گز　　　کردے پیمائش طولِ شب ہجراں کوئی

اس عہد ترقی میں عاشق جو پرانا ہے
فرہاد کا دادا ہے یا قیس کا نانا ہے

جتنے معشوق تھے ستم ایجاد
انسپکٹر وہ اب ہیں تھانے کے

یہ دیکھنا ہے کہ اس شامِ غم کی صبح بھی ہے
منڈا کے زلف دکھا دیجئے جناب مجھے

سایہ ہے پنڈلیوں تک پتلون تا بہ زانو
پردہ جو اور اٹھا ہر چیز پھر عیاں ہے

کب مناسب تھا یہ اس شوخ ستمگر کے لئے
بلیاں پالتا ہے میرے کبوتر کے لئے
ایسے جھٹّے پہ رخِ یار کا بوسہ جو لیا
اہلِ ہمت نے قدم دوڑ کے مچھر کے لئے

چڑھ کے شملے کی چوٹی سے پکارا سہرا
لاٹ صاحب سے بھی بڑھ چڑھ کے ہے پیارا سہرا
دانت کھٹّے ہوئے شیریں سخنوں کے دم فکر
ہے جو تاثیر میں املی کا کتارا سہرا

منم آں یلے نامور در جہاں
کہ از گرزِ خود بشکنم خشک ناں
من آں مردِ میداں کہ در کارزار
نہم زخمِ خنجر بہ قلبِ خیار
بمیداں ہیجا چوں نعرہ کنم
تن پنبہ را پارہ پارہ کنم

سناں گر بہ پہلوئے حلوا زنم — بقوت زمشقاب برافگنم
ہدف چوں زنم تاب دادہ بروت — مشبک شود تانۂ عنکبوت
نمش گشتہ غرباں از تیر من — سرِ شیر زخمی ز شمشیر من
کنم قطع از قوت بے نظیر — زدنداں سرِ تیز قاش پنیر
بہ نیروے بازو چو شش پر زنم — بصد ضرب خشخاش را بشکنم
بہ نیروے سرپنجۂ زورمند — پریشاں کنم دانہ ہائے سپند
کنم روزن از تیر خود اندر آب — درم کاغذ کہنہ وقت عتاب
تبر را کنم گر بہ سرعت رہا — سرِ پشہ گردد ز گردن جدا
اگر مشت بر روئے موشک زنم — بزورِ خودش بر قنا افگنم
من آں پہلوانم کہ بر وقت خشم — بصد زور از جا کنم موئے چشم
بہ بیند اگر شش پرم مور پیر — ز میدانِ ہیجا شود قلعہ گیر

بربطِ زرپاش دے اے ساقی بادہ بدوش
رقص کی تعریف کرنے کا اٹھا ساغر میں جوش
رقص کیا ہے روح کے نغمے کے کوندوں کی لچک
پیکر تصویر خاکی کی اُچٹتی سی جھجک
حسن کے اندامِ نازک کی رگوں کا ارتعاش
میکدے کے جامِ بلوّریں کا جلوہ کیف پاش

دھوپ کے دریا کی موجوں میں ترنم خیز ناؤ
نغمۂ جامد کے نازک جسم کا باریک گھاؤ

اک ادائے دلربا تصویر بے آواز کی
دل نشیں ٹھوکر ستاروں کے خرام ناز کی

مرمریں حوروں کی زلف عنبریں کے دانؤں پیچ
اور لچکیلی کلائی کی ترنم زا کھڑ پیچ

رقص، دونوں پر حکومت کی چڑھا کر تیوریاں
روح کو کولا ملا کر حکم دیتا ہے کہ ہاں

لے بتا ہی دوں تجھے پلوا دے مہوے کی شراب
رقص میں کس وقت آجاتا ہے دور انقلاب

کھنکھناہٹ جام کی لیتی ہے کب انگڑائیاں
قامت موزون رقصیت میں ہو ہو کر نہاں

اور صبا کی سنسناہٹ اس پہ کرتی ہے اثر
رقص ہوتا ہے کہیں اس وقت جا کر جلوہ گر

در حقیقت رقص ہے دور جوانی کا گھماؤ
حسن کی باگوں کا دست عشق سے ہلکا کھنچاؤ

خواہش بے جا کی اک تصویر عریاں کی ادا
جامۂ انسانیت کے چاک ہونے کی صدا

مختصر شرح ہم آغوشی و تکمیل وصال
شہوت آگیں حسن عریاں کی فریب آمیز چال

جب رگوں میں دوڑتا ہے خون موسیقی کا رنگ
ہوتی ہے اعصاب سے باہم محبت خیز جنگ

دور برنائی انھیں لہروں کو دے کر پیچ و تاب
رقص کی صورت میں دیتا ہے سکون اضطراب

موقلم پلکوں کا لے کر آنکھ بھر دیتی ہے رنگ
قامت موزون رقاصہ میں اٹھتی ہے امنگ

رقص کرنے دے سکون قلب، عشرت ساز کو
بربط موسیقیت پردے میں رکھ آواز کو

ابروؤں کی گفتگو ذوق تمنا میں شدید
آنکھ کی انگڑائیوں کے کچھ خیالات جدید

نطق کے پردے میں منہ ڈھلکے ہوئے گونگے کا خواب
لرزش آگیں یا شعاعوں کا مچلتا آفتاب

دل کی دھڑکن مچھلیوں کا اضطراب رقص زا
شبنمستان چمن کی کیف زا ٹھنڈی ہوا

تیسرا حصّہ

کلامِ بلیغ

(جو شرمندۂ معنی نہ ہُوا)

سیر آہنگ طرب ساز مغنی ہوگا — نغمہ ور ناخن مضراب بھی یعنی ہوگا

ناقۂ سوختہ ساماں کا تقاضا ہے یہی — کہ دل قیس بااندازۂ لیلیٰ ہوگا

خونچکاں، دشنہ بکفِ عربدہ جو مستِ ظلم — تاحد شوق جنوں روبہ ترقی ہوگا

دور خمیازۂ چرخ ستم آرا معلوم — دل خوں گشتہ حنا بند تسلی ہوگا

محشرستان خیالات میں دیباچۂ عشق — شرح تجرید حقیقی و مجازی ہوگا

پیچ و تابِ رگ سودا کا یہ مطلب تھا کہ قیس — طرۂ دل کش لیلیٰ دم افعی ہوگا

تھی دل نوح میں اک شورش طوفاں انگیز — کہ سفینہ یہ کلاہِ سرِ جودی ہوگا

دل میں خیال شکل پری زاد ہوگیا — ناقوس برہمن خط حدّاد ہوگیا

نخچیرِ مشک ناقۂ بہزاد ہوگیا — داغِ زمینِ باغ کا شمشاد ہوگیا

ممکن تھا حلِ صورتِ دنداں نمائے غیر — مثل گل شجر سرِ جلّاد ہوگیا

جسم عروسِ نکہت باغِ ریاض میں — تاج خروس گلشن فرہاد ہوگیا

معنی رشتۂ خط نوخیز سبزہ زار — گلدستۂ ہما دل شدّاد ہوگیا

برگِ حباب موج درخت سواد نور — مثل ضیائے آتش فرہاد ہوگیا

یہ پرورش ہے گاوِ فلک کی کہ بڑھتے ہی — آہو کا بچہ ناقۂ بغداد ہوگیا

حال کف سمندر کا سب خون بہ گیا — محو جمال ناز جو حدّاد ہوگیا

کلک قلم مداد دوات سیہ رو — چاقو سے کٹ کے مالک فرہاد ہوگیا

جب سے ہوا لطیف ادب کی چلی ظریف — اردو میں جو خزانہ تھا برباد ہوگیا

در پئے رقص متصل زمزمۂ رباب تھا
شب کو حریم ناز میں شور صد اضطراب تھا
میکدۂ جنوں میں تھا تارِ نظر رواں دواں
دل کی رگوں میں شعلہ ریز یوں اثر شرب تھا
دست اجل نے کر دیا بربط زندگی خموش
تار رگ گلو ہنوز مائل اضطراب تھا
کاہشِ ناخنِ حیات عقدہ کشائے زندگی۔
موت کے دست شوق میں دامن انقلاب تھا
جام شراب برق ریز اُف تری گرمی وجود
قلب برشتہ کباب مرکز التہاب تھا
منظر آبشارِ حسن ہوش و حواس لے اُڑا
پردے میں مستتر ہنوز جلوۂ بے نقاب تھا
برق کی خندہ ریزیاں ابر کی کالی رات میں
روئے تبسم آشنا شرح کن حجاب تھا
کشت عمل کا سبزہ زار چونک کے لہلہا اٹھا
وجد میں جھومنے لگا پہلے جو مست خواب تھا
تیرگی چشم عشق تو نے نہ دیکھنے دیا
جلوۂ حسن بے نقاب ردکشِ آفتاب تھا

دل کی رگوں کی گتھیاں عشق سے کیا سلجھ سکیں
کاکل عنبریں کا خم حاصل پیچ و تاب تھا
اے کہ تری سبک روی درس دہ نسیم صبح
جبکہ حریم ناز میں حسن کو ذوق خواب تھا
لرزش تار بے صدا باعث ارتقائے حُسن
پھر بھی سکوت نغمہ میں نالۂ کامیاب تھا

انا الحق کی صدا تھی اک نشیدِ سازِ منصوری
میرے ذرّات دل سے نغمۂ یا ہو نکلتے ہیں
نہایت تنگ دل ہے دائرۂ ذرّاتِ ہستی کا
شعاعی مرکز جذبات کے پہلو نکلتے ہیں
برا ہو میرے اعمالوں کا اے برجیس ناکامی
نشاطِ زہرہ بن کر آنکھ سے آنسو نکلتے ہیں
صحیفے میں سوادِ دہر کے معدوم ہے عشرت
بیاضِ چشم کے اجزا ہیں جو آنسو نکلتے ہیں
نظامِ ذوق یکجائی سے وابستہ ہے میرا دل
برنگ چربۂ تصویر غم پہلو نکلتے ہیں
غریق بحر نورانی رُوح مُدلّل ہے
فضلۂ قلزم ناسوت میں ٹاپو نکلتے ہیں

مرے آئینہ ادراک کا مرکز ہے نورانی
ضیائے خانہ ہستی ہیں یہی جگنو نکلتے ہیں

مری تخئیل کی حیرت سروسامان آزادی
بخار دور ہستی سوز عنبر بو نکلتے ہیں

نفیر خواب ہستی طرفہ عبرت خیز منظر ہے
بظاہر اختلاف باطنی ہر سو نکلتے ہیں

مجھے اب سعی کار زندگانی کی کہاں ہمت
معلم درس عبرت کے بہت خوشخو نکلتے ہیں

میں ہوں نظارۂ ویرانۂ دل کا تماشائی
بہت اوصاف جس میں چشم عبرت جو نکلتے ہیں

ظریف ایسی زمین جب ہو غزل کیونکر پھلے پھولے
بجائے بامزہ اشعار کے کدّو نکلتے ہیں

طبع مائل مگر ادھر نہ ہوئی
مشق لاف جنوں اثر نہ ہوئی

عرض خمیازۂ قدح پیما
نقل خم خانہ نظر نہ ہوئی

ساز محشر پہ جنبش مضراب
دل شکستن سے نغمہ ور نہ ہوئی

وضع تمکین شاہد طنّاز
آتش افروز خشک و تر نہ ہوئی

اللہ اللہ نفس گدازی شوق
شمع کاشانۂ سحر نہ ہوئی

جوشِ شبابِ بیات سے پر ہیں آنکھوں کے پیمانے دو
سیمابی ساغر میں بوندیں شبنم کو ٹپکانے دو
دیکھ کے شبنم کی عریانی بچے ببسم پاشش ہوئے
صحنِ چمن میں زیچ کی انگلی کانٹوں کو مٹکانے دو
جوشِ تبسم بجلی کا وہ شورِ تخیل بادل کا
غور سے دیکھو ابر میں تو آتے ہیں نظر دیوانے دو
مالن کی دوشیزہ لڑکی بھورے بھورے بال لئے
رقص کرے گی صحنِ چمن میں فصلِ بہاری آنے دو

ذرّاتِ آفرینش سرگشتہ تماشا
جذباتِ دل کی لیکن اس کو خبر نہیں ہے
روحانیت کے جوہر ہیں آئینہ دارِ ہستی
مرأتِ محویت پر صیقل مگر نہیں ہے

اظہارِ ناشکیبی تمغائے آدمیت
مانا یہ جذبِ باطن وہ جانور نہیں ہے
عنوانِ بیخودی ہے فطرت کا یہ صحیفہ
گو درخورِ تغافل ذوقِ نظر نہیں ہے
دنیا طلسمِ حیرت دیں منظرِ تخیل
صورت گرِ معانی جب خشک و تر نہیں ہے

چوتھا حِصّہ

منظُومَات

سیاحتِ ظریف

کچھ ریل گھر کا حال کروں مختصر بیاں — وہ نو بجے کا وقت وہ ہنگامے کا سماں
قلیوں کا لاد لاد کے لانا وہ پیٹیاں — بجنا وہ گھنٹیوں کا وہ انجن کی سیٹیاں
گڑبڑ مسافروں کی بھی اک یادگار تھی
عورت پہ مرد، مرد پہ عورت سوار تھی

القصہ ریل جب سوئے جھانسی رواں ہوئی — اور شکل لکھنؤ کی نظر سے نہاں ہوئی
جو تھرڈ میں تھے انکے لئے بھی اماں ہوئی — بنچوں پہ دھکے کھا کے جگہ کچھ عیاں ہوئی
پہنچی جو کان پور تو پھر گڑبڑی ہوئی
ٹھہری جو تھوڑی دیر تو پھر چل کھڑی ہوئی

ٹھہری اوری میں جھانسی میں پھر جا کے دم لیا — بینا میں پانی پینے کو چلّا کے دم لیا
بھوپال تال پہنچی تو گھبرا کے دم لیا — واں سے اٹارسی میں جگہ پا کے دم لیا
کھنڈوے میں تھوڑی دیر ٹھہر کر رواں ہوئی
منماڑ میں جو صبح کو پہنچی اذاں ہوئی

واں سے اگتپری پہ ذرا سا کیا قیام　　　کلیان جا کے تھوڑے ہی عرصے ہوا قیام
تھا تیسرا پہر نہ بخوبی ہوئی تھی شام　　　چھوٹا جو ساتھ ریل کا ہم سب سے والسّلام
یعنی سوادِ بمبئی اس دم نظر پڑا
ٹھہری ٹرین اک ایک مسافر اتر پڑا

ساقی کر ایک چائے کا سنگل عطا مجھے　　　اور روس بھی گزک کی جگہ تو کھلا مجھے
دینا نہ پتی پونے کی دے مانڈوا مجھے　　　لیمو کی باٹلی کا چکھا دے مزا مجھے
بیڑی وہ دے کہ دود جگر کا مزا ملے
کچھ تو یہاں کے سیر و سفر کا مزا ملے

لے چل اپالو کی طرف اب مجھ کو بہر سیر　　　گھبرا رہا ہے دل میرا چوپاٹی کے بغیر
دکھلا دے پون چکی مجھے تیرے دم کی خیر!　　　لے چل ٹریموے پہ نہ جاؤں گا پیر پیر
وکٹوریہ پہ مجھ کو چڑھا کر پھرا کہیں
جلدی گرانڈ روڈ کی صورت دکھا کہیں

کچھ بمبئی کا حال کروں مختصر بیاں　　　چوڑی سڑک دو رویہ کئی منزلے مکاں
ہر سو ملوں کا شہر میں پھیلا ہوا دھواں　　　ہر ایک مالے کے لئے دس بیس سیڑھیاں
کمرہ ہر ایک کاٹھ کا پنجرہ سلا ہوا
ہر ایک مکیں بھندیت ہو جیسے پلا ہوا

بیٹھے اٹھے وہیں پہ وہیں کھانا بھی پکائے　　　منہ ہاتھ دھوئے چاہے وہیں بیٹھ کر نہائے
سونے کے واسطے نہ مسہری اگر بچھائے　　　پھیلیں نہ پیر گنڈلی جو مارے تو واں سمائے

ایسی جگہ پہ گر کہیں رہنے کو جا ملے
انساں کو زندگی میں لحد کا مزا ملے
یوں دیکھنے کو شکل میں انساں ہزار ہا
دس بیس آدمی ہیں تو حیواں ہزار ہا
ایماں فروش صاحب ایماں ہزار ہا
پیر مغاں کے چیلے مسلماں ہزار ہا
جن کو نہیں تمیز عذاب و ثواب کی
کرتے ہیں پیروی دل خانہ خراب کی

ہنگامہ وہ جہاز پہ چڑھنے کا الحذر
تھے پاس پر کسی کو کسی کی نہ تھی خبر
پل تختہ لا کے رکھ دیا پانی میں تر بتر
کانسٹبل کھڑا تھا جہاں سے تھی رہ گزر
جو بے نشاں تھے ان کو نہ بڑھنے کا حکم تھا
جن کے نشان تھے انھیں چڑھنے کا حکم تھا
پہنچا ہر اک جہاز پر جس طرح ہو سکا
لیکن کہیں پہ ملتی نہ تھی بیٹھنے کی جا
اسباب چار سمت تھا پھیلا پڑا ہوا
سنتا نہ تھا کوئی جو کوئی تھا پکارتا
برقع میں عورتیں تھیں مگر غیر حال تھا
ریلا وہ تھا قدم کا ٹھہرنا محال تھا
کچھ کھنڈ میں بھرے گئے اسباب کی طرح
کچھ بیقرار ہو گئے سیماب کی طرح
اک جا پہ کچھ سما جو گئے آب کی طرح
کچھ گھومتے ہی رہ گئے گرداب کی طرح
جب تک چلا جہاز نہ ممکن اماں ہوئی
لنگر اٹھا تو شکل فراغت عیاں ہوئی

بیٹھے ہوئے سبھوں کو نہ گزرے تھے دو پہر — پہنچا جہاز قیتے کے اندر ہوا گزر
موجوں کا اٹھنا اور وہ تلاطم کہ الحذر — بیخود ہوئے یہ سب کہ نہ اپنی رہی خبر
قے سے مسافروں کا بہت غیر حال تھا
چکر وہ تھا کہ سر کا اٹھانا محال تھا

اُؤ اُؤ کی آ رہی تھی ہر اک سمت سے صدا — سر پکڑے کوئی بیٹھا تھا کوئی پڑا ہوا
کپڑے لتھڑ پتھڑ تھے کسی کا یہ حال تھا — کوئی یہ کہہ رہا تھا خبر لو کہ میں چلا
منہ تو کھلا ہوا تھا مگر آنکھیں بند تھیں
چاروں طرف سے قے کی صدائیں بلند تھیں

انگریز کرتے رہتے ہیں دریا کا گو سفر — دیکھو اگر تو ان کو تلاطم سے کیا ضرر
لیکن یہاں یہ حال تھا قیتے میں آن کر — صاحب سے میم میم سے صاحب تھے بے خبر
کمرے میں وہ پڑی تھی یہ کرسی پہ لیٹے تھے
رومال اپنی جیب کا منہ سے لپیٹے تھے

القصہ ایک حال میں تھا خورد اور کلاں — کوئی پڑا تھا اوندھا یہاں پر کوئی وہاں
چلا رہا تھا کوئی کہ فریاد و الاماں — کوئی تڑپ رہا تھا تو تھا کوئی نیم جاں
عشاق جاں بلب تھے وہ سرگرم ناز تھا
معشوق کے لباس میں ڈِرا جہاز تھا

تھے اور بھی جہاز پہ اک مرد نوجواں — کچھ عورتیں بھی ساتھ تھیں لے آئے تھے میاں
دیہاتی پن تھا آپ کے چہرے ہی سے عیاں — بوکھل پنا بڑھا ہوا اتنا کہ الاماں

ہم دل میں سوچتے تھے بھلا کیا کہیں انھیں
اللہ میاں کی گائے کا بچھڑا کہیں انھیں

سر پہ تھے تھوڑے تھوڑے کیسر کی طرح بال — وہ میٹھی میٹھی باتیں حماقت کے وہ سوال
کولے ہلا ہلا کے وہ چلنا مٹک کے چال — تھے بیوقوف یہ کہ سراپا تھے گول مال

میلا سا کرتا اس کا گریباں کھلا ہوا
کوڑی سے دانت آنکھوں میں کجلا گھلا ہوا

رہتے الہ آباد کے نزدیک ہیں حضور — یہ بھی خبر نہیں کہ کہاں پر ہے کانپور
نکلے مکان سے نہ کبھی تا سنِ شعور — وحشت میں سوجھی یہ کہ چلے آئے اتنی دور

اس طرح پر کہ عورتیں بھی ساتھ لائے تھے
اسباب اتنا جس سے کہ خود لو کھلائے تھے

دو چار اور ساتھ تھے حضرت کے بانگڑے — ہوتا تھا لطف کانوں کو سن سن کے گفتگو
دیہاتی پن ٹپکتا تھا ہر شے سے مو بمو — ہشّو کی طرح سب نگراں تھے چہار سو

مالک کے ساتھ ان کے ملازم تھے اس طرح
گھگھو کے گرد الّو کے پٹھے ہوں جس طرح

کہتا تھا کوئی ان سے ارے کاہی میاں — ایسا گُسُر جہاج نہ دیکھا نہ ہم سُناں
ہُمرے رہے کا ٹھور یہاں اور ہم ہواں — لیٹی کہاں یہ جائے کے بیٹھی کہو کہاں

ع بن کے بیچ ٹھونس دیہن ہم کا جائے کے
ہم کا بہت کلیس بھوا ساتھ آئے کے

مہرا ردن کا کمرے کے بھیتر نہیں گجار　　گرمی ماں پکسی جات ہیں آوت نہیں بیار
تھوڑا سا ٹھولاہ ماں گھسیٹرن ہی پانچ چار　　چھ سو پہ پانی پھر گوا اُوہ پر کھڑا کی مار
کھلا آسین ماں کون سنت ہمری بات ہے
کپتان سے کہن تو سُسر بھاڑ کھات ہے
ان سب میں ان کے ایک ملازم تھے ہوشیار　　تھا تجربہ کہ پہلے بھی آئے تھے ایک بار
اس طرح ایک حبشی سے جا کر ہوئے دوچار　　سنتا ہے بھائی کام کرے گا جو تم ہمار
تم کو طلب ملے گا اگر تم رہے گا ساتھ
تم نوکری کرے گا ہمارے چلے گا ساتھ
بولا یہ سُن کے حبشی کہ شَشت گلّی ہنود　　مَا تَقُوف لِسَانَکَ رَح اَیْھَا الجھود
ہوش ان کے ایسے اڑ گئے بھاگے وہاں سے کود　　کہنے لگے میاں سے کہ پڑھتا ہے وہ دُرود
چپکے الگ کھڑا ہوا میں بھی سُنا کیا
یہ اپنی ہانکتے تھے وہ اپنی کہا کیا

القصہ جب جہاز کراچی سے بھی چلا　　میں نے دیا جو تار جواب اُس کا بھی ملا
مسقط میں پہنچا دوسرے دن واں ٹھہر گیا　　دو تین گھنٹے بعد ہی لنگر اٹھا دیا
پچھلا پہر تھا اس کی کسی کو خبر نہ تھی
بوشہر پہنچا جس کی کسی کو خبر نہ تھی
واں سے چلا تو بصرے میں آ کر کیا مقام　　یہ پیٹنے کی جا ہے مصیبت کا ہے مقام
چھوٹا بڑا جہاز سفر ہو گیا تمام　　داخل قرنطینے میں اب ہونگے خاص و عام

یہ وہ جگہ ہے جس سے کسی کو مفر نہ تھا
بے پانچ دن گزارے کسی کا گزر نہ تھا

مارچ کی دوسری کی سحر جب ہوئی عیاں ٹہرا جہاز آنے لگیں چھوٹی کشتیاں
آیا قرانطینے سے لینے کو پاسباں کشتی پہ سب سوار ہوئے خورد او رکلاں
لے جا کے سب کو ایک ہی جا بند کر دیا
آزاد جو کہ تھے انھیں پابند کر دیا

دریا کنارے چند مکانوں کی ہے قطار پردے میں جس طرح سے سکونت گزیں چار
سیلن غضب کی اور کثافت کا کیا شمار پاخانہ جس کے سامنے شفاف آبدار
چوہوں کی طرح پا بہ گل اہل زمیں تھے سب
تھے بمپلس مکان تو مہتر مکیں تھے سب

لمبا سا سائبان چٹائی سے اک پٹا سوراخ جا بجا تو کہیں سے بہت پھٹا
اونچی کہیں زمین کسی جا پہ اک گڑھا اہل قرانطینہ کے ہے دیکھنے کی جا
پہلے ہر اک جا کے وہاں پر کھڑا ہوا
صندوق سب کے کھولے گئے جائزہ ہوا

کچھ دیکھا کچھ نہ دیکھا کسی پر نشاں دیا جو جی میں آیا بھاپ میں دینے کو لے گیا۔
پھر سب کو ایک لین میں سیدھا کھڑا کیا کھڑکی کے پاس آؤ سبھوں سے کہا گیا
جو چاہا لے لیا نہ حساب و کتاب تھا
سرٹیفکٹ کا ملنا نہ تھا اک عذاب تھا

کونے پہ اک چھوٹا سا ڈربا بنا ہوا
کچھ ٹوٹی پھوٹی کرسیاں میز اک سڑا سا تھا

چادر کے بدلے تولیا اس پر تھا اک بچھا
جس پر پرانا ردی رجسٹر مریضوں کا

پوچھا اگر مکان یہ کس جانور کا ہے
سب نے کہا یہی تو مطبِ ڈاکٹر کا ہے

کھوسٹ اک آدمی تھا نہایت دماغدار
ترکی لباس چہرے سے نخوت تھی آشکار

دو اک جوان چیلے بھی تھے بہرِ کاروبار
افسر قرنطینے کا تھا یہ ہی نابکار

سسرا ہوں بو علی کا اُسے یہ خیال تھا
نخوت پکارتی تھی بڑا بے کمال تھا

کاغذ کے ٹکڑے بانٹ کے جب لے چکا وہ زر
ہر اک کو تب یہ حکم سنایا بہ کرّ و فر

کپڑے ہیں جن کے صاف وہ ٹھہرے رہیں اِدھر
جن کے لباس میلے ہیں وہ سب چلیں اُدھر

جس جا ہے اک پرانا سا انجن کھڑا ہوا
اک گھونسلے میں ٹاٹ کا پردہ پڑا ہوا

اس جا پہ سب کے کپڑے اتروا لیے گئے
لنگی کی جا پہ باندھنے کو چیتھڑے دیے

سب کے لباس بھاپ میں انجن کے تر کیے
اور مہتمم بھی دیکھ رہے تھے کھڑے کھڑے

کوشش سے ان کی سب کے مرض دور ہو گئے
ننگا کھڑا جو دیکھا تو مسرور ہو گئے

جب ہو چکے تمام یہ جھگڑے صفائی کے
اک مہتمم نے سب کو ٹھکانے بتا دیے

سب اپنا اپنا آپ ہی سامان لے چلے
جس طرح مال جیل کے قیدی لیے ہوئے

زندانیوں کو قید میں رہنے کی جا ہوئی
معیاد پانچ روز کی سب کو عطا ہوئی

ہم نے قرانطینے میں پایا تھا جو مکاں — دروازہ ایک، ایک طرف دو تھیں کھڑکیاں
تھی بوریئے کی جھانپ تو خرمے کی دھنیاں — چونا کبھی پھرا تھا بتلاتے تھے یہ نشاں
رنگین شیشے لبتوں کے کیا پُر بہار تھے
دیوار و در پہ جالے کے نقش و نگار تھے

اک خانہ باغ چھوٹا سا تھا کھڑکیوں کے پاس — جس میں کبھی بہار نہ آئی تھی بارہ ماس
خرما ببول اور اسی طرح آم گھاس — کچھ چھوٹی چھوٹی جھنڈیاں بھی آمیں سو پچاس
تھی بھٹکٹیا نرگس بیمار کی جگہ
کانٹوں کے ڈھیر پھولوں کے انبار کی جگہ

تھوہڑ کے کچھ درخت تھے سروسہی کی جا — طائر سوائے مکھیوں کے کوئی بھی نہ تھا
اور جائے آبشار تھا کیچڑ کا اک گڑھا — بدبو کے بھقے اٹھتے یہ فوارہ تھا نیا
انسان کا جس کو دیکھ کے دل خود اداس ہو
وحشت نہ کیوں بڑھے جو چمن ایسا پاس ہو

خالی نہ تھی وہاں کی تو حکمت سے کوئی بات — سردی نہ کھائیں اسلئے جو گھر تھے پانچ سات
کنڈی نہ گھر میں تھی کہ ہوا آئے ساری رات — اسباب و مال کی بھی حفاظت تھی واہیات
سو جائے ساری رات کوئی کیا مجال تھی
پہرا تھا پسوؤں کا بڑی دیکھ بھال تھی

پسّو ہر ایک ترکِ ستمگار کی طرح — چڑھ چڑھ کے خون پیتا تھا خونخوار کی طرح
پامال جسم کرتا تھا رہوار کی طرح — اکثر گلے پہ پھرتا تھا تلوار کی طرح
ڈنک اس کا تیز تھا کہیں مژگانِ یار سے
بسمل بنائے دیتا تھا ہر اک وار سے

کاٹا کمر میں دوڑ کے پہلو پہ آگیا — پسلی پہ ڈنک مار کے بازو پہ آگیا
پنڈلی پہ سرسرایا تو زانو پہ آگیا — چٹخا وہاں سے کاٹ کے گیسو پہ آگیا
گدی پہ ایک ٹیپ جما کر نکل گیا
مثلِ خیال سر میں سما کر نکل گیا

پہرا جو تھا پولس کا تو اسکی یہ شکل تھی — رومال سر پہ اس پہ اک انڈوی سی بھی چڑھی
وردی پرانی چیتھڑا بالکل سڑی گلی — رفل میں جائے تسمے کے رسی بندھی ہوئی
اوڑھے عبا تھا اور کوئی ننگے پیر تھا
کپڑا درست ایک بھی ہو یہ بخیر تھا

شکل شریف ایسی کہ کنجر نثار ہو — صاف اس قدر صفائی کا مہتر نثار ہو
وہ حرکتیں کہ دیکھ کے بندر نثار ہو — کپڑوں میں اتنی بو کہ چھچھوندر نثار ہو
دیکھا جو غور سے تو یہ جہ تباہی ہیں
جینے کو نام رکھو یہ ایسے سپاہی ہیں

ڈیوٹی کو اس طرح وہ کرتے تھے سب ادا — گہہ بیٹھ کر زمین پہ سگریٹ پیا گیا
بندوق دے کے اور کو گہہ کوئی سو رہا — دیکھا کسی کو گرہے گلی ڈنڈا کھیلتا

بندوق رکھ کے ہاتھ سے یہ بھی جھپٹ پڑے
کشتی لڑی کسی نے تو یہ بھی لپٹ پڑے

وہ ساتویں کی صبح رہائی کا وہ خیال　　تکلیف جھیلنے پہ بھی چہرہ ہر اک بحال
اسباب کا سمیٹنا چیزوں کی دیکھ بھال　　ہر اک کا قول شکر ہے اے رب ذوالجلال
صدقہ دیا تو ہو گئی ردِ بلا چلے
سب لسوؤں کو دے دیا جب خوں بہا چلے

جس دم قرنطینہ سے قیدی ہوئے رہا　　جس کا جہاں ٹھکانہ تھا وہ اس جگہ گیا
ہمراہ ہم حبیب کے آئے سوے سرا　　لیکن سرا میں رفع ضرورت کی تھی نہ جا
وہ لوگ اس سرا میں رہے جو آن کر
لینڈی ہر ایک شخص کی تھی آسمان پر

ہوتا ہے اس سرا میں مسافر کا گر قیام　　کوٹھے کی چھت سے لیتا ہے بیت الخلا کا کام
پیشاب کے لئے بھی نہیں ہے کوئی مقام　　گُبتل سرا کہیں تو مناسب ہے اس کا نام
پیشاب جائے آب تو مٹی براز ہے
اس آب و گل سے ساری سرا سرفراز ہے

کاٹے وہاں بھی سات پہر جس طرح ہوا　　جب یہ سنا کہ رومی جہاز آج آئے گا
تاخیر کے لحاظ سے فوراً ٹکٹ لیا　　اسباب بھی جہاز پہ لے جا کے رکھ دیا
موصل برائے نام تھا صورت حرام تھا
ترکوں کا اس جہاز پہ سب انتظام تھا

پہلے پہل جہاز دخانی جو تھا بنا | انجن اسی زمانے کا اسمیں ہے شک ہی کیا
پرزوں میں زنگ رسی سے کوئی بند ڈھا ہوا | بھٹی جلائی جاتی ہے واں روشنی کی جا
کوئلہ برائے نام ہی اس میں جلاتے تھے
چلتے نہ تھے تو ہاتھ سے پرزے چلاتے تھے

انجنیئر وہ ہند کا جیسے گدھا لُہار | اوزار ٹوٹے پھوٹے وہ جن پر خدا کی مار
روغن کی جا پہ پانی کی ہر پرزے پر پھوہار | کپتان وہ کثیف کہ جیسے کوئی چمار
کپتانوں کا وہ نام ڈبوتا تھا رات دن
بہتا تھا خود جہاز وہ سوتا تھا رات دن

کریچ کی بال چھت پہ پڑی تھی اسی لئے | شبنم سے اور دھوپ سے انسان تا بچے
کیا کہئے اس کا حال ذرا سنئے غور سے | سائے میں کھولی جائے وہ جب دھوپ میں بند تھے
برعکس اس کو روز وہ مصرف میں لاتے تھے
دن بھر تو دھوپ رات کو شبنم کھلاتے تھے

تنگی سے پائخانے کی کیوں قبض ہو نہ جائے | دبلا بھی ہو تو پھنس کے بمشکل وہاں سمائے
پیشاب آپ ہی کرے اور آپ ہی نہائے | وہ تیز بو دماغ پھٹے جس سے ہائے ہائے
چڑھ جائے دن تو بند اجابت کا باب ہو
جاؤ نہ رات ہی سے تو مٹی خراب ہو

بیٹھا ہے یک چین سے اک پٹیلا ہے در | لوٹا لئے ٹہلتے ہیں دو اک اِدھر اُدھر
دو اک ہگاس بطنے سے دوڑے پھدر پھدر | بولا یا ایک آدھ تو ایسا کہ الحذر

القصہ روز شکل یہ پچھلے پہر سے تھی
کھٹ کھٹ ادھر ہوتی تھی ہوں ہوں ادھر سے تھی

وہ راستے کا پھیر وہ چکر کہ الحذر گھومو تمام روز مگر طے نہ ہو سفر
یعنی نشان سحر کو جو آئے کوئی نظر تا شام صدقے ہوتے رہو تم اِدھر اُدھر
اور پھر سحر کو دیکھو اسی جا پہ پاؤ گے
گھومو گے چار سمت کہیں بھی نہ جاؤ گے

وہ صبح تیرھویں کی وہ سردی کا زور شور ہر ایک کا منہ چھپانا ہوا ہے کہ جیسے چور
ٹکتے نہ تھے کہیں پہ قدم یہ ہوا میں زور پالا پڑا اکھٹر سے ہوئی ہم بھونگی بھور
اٹھنا سبھوں پہ سخت تھا بیمار کی طرح
ہر اک کانپتا تھا گنہگار کی طرح

کی بات بھی تو تا بہ دہن آکے جم گئی سینے میں آہ سرد جگہ پا کے جم گئی
پہنچی ہوا جو جسم پر گھبرا کے جم گئی کی جس طرف نگاہ نظر جا کے جم گئی
اتنا ہوا میں اور برودت میں ساز تھا
قفلی تھے لوگ برف کی کشتی جہاز تھا

بغداد میں پہنچتے ہی موصل پہ جم گیا لنگر کیا کنارے پہ آتے ہی تھم گیا
لو خاتمہ سفر کا ہوا سب الم گیا قفے کا سامنا ہوا بڑ دو قدم گیا
دیکھا تماشا خوب عجائب نظارہ تھا
قفہ نہیں تھا بھان متی کا پٹارہ تھا

اس پر ہجوم وہ کہ نہ ملتا تھا راستا — خچر ادھر سے آیا ادھر سے گدھا چلا
انسان سو پچاس تو حیوان ہزار ہا — دھکا لگا کسی کے کوئی لات کھا گیا
سچ تو یہ ہے کہ جان ہر اک کو عزیز تھی
انسان اور گدھوں میں مطلق تمیز تھی

پل سے ہوا عبور جو با حالت تباہ — بازار اتنا صاف نظر آیا واہ واہ
دو کانیں دیکھتے ہیں کرے خیرگی نگاہ — اتنا اندھیرا دن کو کہ اندھا ہو جیسے چاہ
ممکن نہ تھی تمیز کہ دن ہے کہ رات ہے
اندھیر ہے عراق میں بس اتنی بات ہے

سنئے ٹریموے کو جو ہے تابہ کاظمین — اس واسطے کہ پائیں مسافر کچھ اس سے چین
چلتی ہیں چار گاڑیاں گو ایک ہی ہے لین — تیز اتنی، گاڑی اور ہے چھکڑے کے بین بین
اس پر بھی جھٹکا وہ کہ ٹھہرنا محال تھا
کرتا تھا اٹھا بیٹھی ہر اک کا یہ حال تھا

گاڑی دو منزلی وہ پرانی سڑی ہوئی — ناپا جو قد سے اونٹ کے تھوڑی بڑی ہوئی
کہتی تھی خود چلاؤ نہیں ہوں جڑی ہوئی — چوں و چرا جو کی تو کبھی چل کھڑی ہوئی
چلنے پہ لوگ چڑھ گئے ٹھہرے اتر پڑے
اس چڑھ اتر میں ہم کو تو اکثر نظر پڑے

اور منتظم وہ جن سے فقیروں کو شرم آئے — نازل ہوئے بلا کی طرح جیتھڑے لگائے
کاغذ کے ٹکڑے ہاتھ میں اک تھیلی بھی دبائے — ان کے ٹکٹ کا بانٹنا پوچھو نہ ہائے ہائے

بوڑھوں سے آدھا بچوں سے سارا وہ لیتے تھے
جو دے چکا ہو اس سے دوبارہ وہ لیتے تھے

بس اے ظریف چپ رہو قصہ ہوا تمام
اب پہنچے کا ظین ادب کا ہے یہ مقام
مانگو دعا خدا سے کہ اے رب ذوالکرام
ترکوں پہ رحم کر ہیں مسلماں برائے نام

کچھ ان کو انتظام کی جانب خیال ہو
رشوت ستانی چھوڑیں رعیت بحال ہو

ہمدردی ان کے دل میں ہو اے رب دو جہاں
یہ غیر قوموں کی نہ بس اب کھائیں جوتیاں
تہذیب نفس و علم و عمل سے ہوں کامراں
محتاج غیر کے نہ رہیں خرد اور کلاں

جلائے نفاق ملک میں امن و امان رہے
اسلام کا جہاں میں الٰہی نشاں رہے

سانکھوں کے لٹھے!

تیزی ہے زبان میں دست و پا ٹھٹے ہیں
پیری ہے قریب گو مگر پٹھے ہیں
گاڑو انھیں یا ابھی پڑا رہنے دو
بے ترشے ہوئے سانکھوں کے یہ لٹھے ہیں

بانس چلادیں گے

ہم لوگ ہیں افیونی جب رنگ جمادیں گے
جرمن ترے نشہ کو مٹی میں ملادیں گے

بچھوے کو بھرا ہم نے جس وقت مدریے ہیں
تو کھانستا بھلگے گا وہ گیس اڑادیں گے

سرکار کے دشمن کو ہم کوس کے کھالیں گے
اور اپنے تصور سے نام اس کا مٹادیں گے

رستم سے سوا طاقت ہو جائے گی ہم سب ہیں
جب چائے ہیں بالائی تھوڑی سی ملادیں گے

لے کے بھری گدکا جب ہیرے بدلیں گے
برلن کے اکھاڑے میں اک دھوم مچادیں گے

ہم لے کے بنیٹھی کو بن جائیں گے گھن چکر
بھنّاٹا وہ باندھیں گے سر تیرا پھرادیں گے

لٹھے کے جہاں پہنچے سر توڑ دیا فوراً
جرمن تیری توپوں میں ہم بانس چلادیں گے

جرمن ہو کہ اسٹریا پالی میں اگر آئیں
ہم اپنے گریزوں سے دونوں کو بھگادیں گے

زپلن جو اڑاتا ہے جرمن ہمیں کیا پروا
کنکوے میں چمٹا کے میداں میں گرادیں گے
برٹش کی رعایا ہیں لڑ بھڑ تو نہیں سکتے
دعوے کی شہادت میں قانون دکھادیں گے
لیسنس سے مُستثنیٰ چاقو تو ہے قبضے میں
اوچھے ہی سہی لیکن دو ہاتھ جمادیں گے
رلیفل کی تو صورت بھی ہم نے نہیں دیکھی ہے
گاجر کے بڑا قوں سے ہم تجھ کو بھگادیں گے
ہم شیر کا پس خوردہ کھائے ہوئے گیدڑ ہیں
تو بھاگ کھڑا ہوگا بھبکی تو بتادیں گے
ہم قحط کے مارے ہیں مرنے سے نہیں ڈرتے
اک دانے پہ جب اٹکے دس بیس بھگادیں گے
تو مار بھی ڈالے گا تو یاد رکھ اے جرمن
بن جائیں گے ہم بھتنے راتوں کو ڈرادیں گے
لا اپنے کروزر کو دیکھیں تو وہ کیسا ہے
ہم گومتی میں ڈونگیا پر چڑھ کے بھگادیں گے
لے لے کے ڈگن پہنچے جس وقت سمندر میں
آفت میں تیری تحت البحروں کو پھنسادیں گے

قحط آب

کمی پانی کی واٹر ٹیکس کے دریا میں طغیانی
کہاں تک چپ رہیں جب سر سے اونچا ہو گیا پانی

مسلماں اور ہندو دونوں آنکھیں تھیں حقیقت میں
کہ جن سے دیکھنے میں بورڈ کو ہوتی تھی آسانی

ادھر اک آنکھ بیٹھی دوسری کمزور ہے دیکھو
ہمارے شہر کی میونسپلٹی ہو گئی کانی

مسلمانوں کی کثرت بورڈ میں پانی کی یہ قلت
چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

یہ کیا معلوم تھا اولے پڑیں گے سر منڈاتے ہی
کنویں جھنکوائے گی جمع خطاب رائی دخانی

یہ وہ اناّئیں ہیں رکھتی ہیں جو بے دودھ بچوں کو
رپورٹیں بورڈ میں خالی پڑھی جاتی ہیں طولانی

یہ مانا تم کو بھی پانی نہ ملنے سے اذیت ہے
مگر اتنی کہ اب کھانے لگے ہو کچی بریانی

تمھیں تو پیاس میں سوڈے کی بوتل مل ہی جاتی ہے
دو وقتہ ٹب میں بھر دیتا ہے سقّا غسل کو پانی

ذرا بمبے پہ جا کے حال دیکھو ان غریبوں کا
ہے قحط آب کے باعث جنھیں تکلیف روحانی
سول کی گھانس تک ہم ایسے ذی روحوں سے بہتر ہے
کہ بے مانگے جسے افراط سے ملتا تو ہے پانی
خوشامد کر چکے کچھ کام آؤ اب غریبوں کے
کہاں تک محض اپنے واسطے فکر تن آسانی
خدائی فوجدار انجینئر صاحب بہادر ہیں
ڈر اُن کو فوجداری کا نہ مطلق خوف دیوانی
مریضان عطش چاہے جئیں چاہے مریں لیکن
دوا کی طرح دونوں وقت پائیں گے فقط پانی

زہاد قوم

کھچڑیاں کالج کی پکیں حسب استعداد قوم
دیگ میں پنڈال کی گھل مل گئے اضداد قوم
کچھ نئی تعلیم والے کچھ پرانی وضع کے
قوم اک اک فرد جن میں جمع وہ افراد قوم
تین دن تک قوم کی دعوت ہوئی چکھا پلاؤ
پیٹ بھر جائے تو کوئی کیا سنے فریاد قوم

نقد چندہ کم ہوا وعدے ہزاروں کے ہوئے
اس نمائش میں زبانی ہو گئی امدادِ قوم

جس قدر چندہ دبا اتنی ہی صلواتیں سنیں
غل غپاڑے ہیں سنائی دی نہ کچھ فریادِ قوم

اس جگہ بہرِ مداوا جمع ہیں قومی طبیب
جو فقط لیموں لگاتے ہیں کھجا کر دادِ قوم

دیکھتے تھے سب کو قومی منتظم اک آنکھ سے
اس میں بینا ہو کوئی یا کورِ مادر زادِ قوم

جلسۂ قومی کو ان سب نے تھیٹر کر دیا
لیں ٹکٹ پہلے جو کرنے جائیں کچھ امدادِ قوم

الفرڈ ناٹک میں ہو تخصیص حیثیت مگر
یاں ٹکٹ سب کا برابر واہ ری ایجادِ قوم

قوم کا بہرو پیہ بھی ہے نمائش گاہ میں
پارٹ اس کا بہرِ تفریحِ دلِ ناشادِ قوم

سر پہ دستارِ فضیلت پاؤں میں ڈاسن کا بوٹ
نیچے جنٹلمین اوپر صورتِ زہادِ قوم

دین کا دلال آدھا اہلِ دنیا کا اجنٹ
مولوی بھی ماسٹر بھی واہ رے استادِ قوم

کعبۂ کالج کی جانب توڑ کر اپنی نکیل
بلبلاتا آرہا ہے اشترِ بغداد قوم

ایک قومی تتمبندا بھی اس کٹہرے میں ہے بند
جس کا رمنا ہے ترائی مزرع آباد قوم

قومی ایک بھالو علی بابا جسے کہتے ہیں لوگ
وہ گرو چالیس قزاقوں کا اور استاد قوم

وہ جو خبنہ سا نظر آتا ہے بن مانس تمہیں
بھیڑیئے کے بھٹ سے نکلی ہے یہی اولاد قوم

قومی ایک بندر بھی اس زندہ عجائب گھر میں ہے
جو کہ نادان دوست ہے کرتا ہے گو امداد قوم

ہے اسی جلسے میں قومی ایک خرگوش سفید
گھونس بن کر کھودتا رہتا ہے جو بنیاد قوم

ایک جیرف بھی ہے اس قومی نمائش گاہ میں
عاملانِ قوم کہتے ہیں جسے ہمزاد قوم

خدمت عالی میں سب کی ہے یہی بس التماس
جمع ہیں یہ جس قدر ابدال قوم اوتار قوم

روک لے تیغ زباں کو اپنی خاموش اے ظریف
ہم نے یہ مانا کہ تو ہے بندہ آزادِ قوم

نیا سال

عجیب قسم کا ہے انقلاب لیل ونہار
عجیب طرز پہ ہے دورِ چرخِ کج رفتار

قدیم مارچ کی اکیسویں کو تھا لیکن
اب اس جدید کا اپریل فول ہیں ہر شمار

ہوا ہے دفعتاً اس کا جو دورۂ ثانی
تو نام ہی سے حماقت کے اسمیں ہیں آثار

زبان فرس میں رکھتے ہیں اس کو خبطائیں
اور اہل ہند اسے نوروز یا کہ فصل بہار

سواری اس کی کرائے کی پالکی گاڑی
اور اس میں بیٹھے ہوئے اور لوگ بھی دوچار

ہیں اپنے منہ کو چھپائے ہوئے وہ سہرے سے
اسی لئے کہ برسنے لگی ہے اب پھٹکار

عجیب قسم کی شکل شریف پائی ہے
کہ ایک ہاتھ میں طبلہ تو دوسرے میں ستار

تمام سال یہ خوراک اب کی ہے اسکی
پرانی جوتیاں کھائے کبھی نئی پیزار

منجمین یہ بالاتفاق کہتے ہیں
ہے رنگ زرد کہ اکثر رہا کیا بیمار

مزاج گرم وہ منہ سے نکل رہی ہے بھاپ
وہ اسکی سانس میں حدت کہ جس طرح سے بخار

اثر سے اس کے کہیں آتشک نہ ہو جائے
پڑھو پڑھو وَقِنا عذاب النّار

بگڑ کے گھر میں زحل کے جو ہیں گھسا مریخ
کیا جو منع عطارد نے ہو گئی تکرار

اثر سے اس کے یہ تیزی بڑھے مزاجوں میں
کہ بی بیوں سے میاں عمر بھر کو ہوں بیزار

علم کو تھام کے درگاہ میں قسم کھائیں
بیاہتا سے ملیں گے نہ عمر بھر زنہار

عجیب قسم کا ہڑبونگ ہو زمانے میں
کہ آج ہوں وہی بدمست کل جو تھے ہشیار

اٹھیں ہوا و ہوس کی وہ آندھیاں پرزور
کہ جس سے خانۂ عقل تمیز ہو مسمار

بنیں اُدھر وہ برائے نکاح مثل جواں
سفید بالوں پہ مل مل کے مارننگ اسٹار

دوبارہ پھول بھی بے فصل کے کھلیں اب کی
پرانے پودے ہیں گھس جائے اتنا جوشِ بہار

پھل آئیں نخلِ تمنا میں پلپلے لیکن
جو باغباں چھوئے ہو جائیں گٹھلیوں کے پار

ہے اب کی سال کی مالک جو مشتری بابیٔ
کسی شریف پہ آئے گا لازمی ادبار

کوئی نگاہ احبا میں خاریوں ہوگا
مثل سنی ہے کہ جس طرح ڈومنی کا یار

دکھائیں حضرتِ مریخ پر اثر اپنا
وہ سو لجر کہ جو گھر میں تھے اپنے پنشدار

اٹھا کے رکھ دیں درِ قلعہ پر فقط دو بم
دغیں دغیں نہ دغیں اس سے انکو کیا سروکار

ہیں دورِ زہرہ سے احکام ذیل مستخرج
ہے اس ستارے کا رقاصۂ فلک میں شمار

ہے بعض عورتوں پہ اب کی سال یہ بھاری
اثر سے اس کے اٹھانا پڑے گا ان کو یار

عجب نہیں ہے اگر دل ہی دل میں پچھتائیں
اٹھا کے گود بھرائی کے ناریل بے کار

شروع سال میں جن لڑکیوں کی شادی ہو
میاں ملیں انھیں لیکن کسی قدر سن دار

کچھ ایسے تھان کے سچے ہوں وقت کے پابند
کہ دس بجے تک انھیں شب کو روکنا دشوار

یقین ہے پھاند کے دیوار جیل خانے کی
وہ شب کو نو بجے کے بعد کر ہی جائیں فرار

ملیں تلاش میں یا بی بی کے پاس سوتے ہوئے
خدانخواستہ پکڑے اگر انھیں سرکار

طبیب پیشہ کو یہ سال ہے بہت اچھا
مطب میں آئیں گے کثرت سے مختلف بیمار

کوئی کہے گا کہ سوزاک کی شکایت ہے
کوئی کہے مرض فتق کا ہے مجھ پر بار

بجائے تنکوں کے بیڑے جنیں گے دیوانے
یہ رنگ اب کی دکھائے گی اپنا فصلِ بہار

ہوں اب کی سال میں چوری چھپے سے ایسے نکاح
کہیں بھی ذکر ولیمہ نہ جن میں ہو زنہار

اٹھی ہے جانب مغرب سے کالی کالی گھٹا
کہ جس کو دیکھ کے ہیں مست بے پیئے ہشیار

نظارہ باغ تمنا کا دید کے قابل
ہے کے جھڈ بجھ میں کوتے نے کھولدی منقار

یہی زمانہ ہے بادہ کشی کا اے ساقی
اٹھا لے جام و صراحی مگر ذرا ہشیار
لبالب انڈیل دے لیکن چھلک نہ جائے کہیں
رہے نگاہ مرے ظرف پر بھی تیرے نثار

ہوم رول

جو ڈپٹی بھی مل گئی کلکٹری بھی پا گئے
وہ کیسی ہی ہو کونسلوں کی ممبری بھی پا گئے
سوار سے رسالدار میجری بھی پا گئے
لڑے بھڑے بغیر خانبہادری بھی پا گئے
تمہیں بتاؤ اور اس سے بڑھ کے تم کو کیا ملے
یہی کسر ہے مانگنے پہ اب تمہیں سزا ملے
یہ فخر کم نہیں کہ گورے کالے ایک ساتھ تھے
ولائتی و دیسی لڑنے والے ایک ساتھ تھے
غلام اور اختیار والے ایک ساتھ تھے
جفاکش اور منتوں کے پالے ایک ساتھ تھے
عروج یہ لکھا تھا انڈیا کی سرنوشت میں
گناہگار تم سے اور فرانس کے بہشت میں
پڑھے لکھے کہ جن کی عقل ہو کسی قدر رسا
جو چست کھیل کود میں ہوں جسم ہو ذرا کسا
نہ یہ خیال بھی کریں کہ کیسی ہے گرہ دسا
نہ سوچیں اور بچاریں کچھ وہ چھوڑیں جلد مدرسا
ذرا بھی ویک ہوں اگر ایم بی اے کورس میں
لکھا دیں نام جھٹ سے انڈین ڈیفنس فورس میں
وفا کا امتحاں تھا بطور قرض جو لیا
وگرنہ بادشاہ کی مدد کرے گا کیا گدا
عطا کا جوش تھا جو ساڑھے پانچ فیصدی دیا
غرض جو کچھ کیا تمہارے نفع کے لئے کیا

خود اپنے نفع کے لئے سمجھ کے اپنا فرض دیں
یہ مفلسوں کو چاہیئے کہ قرض لے کے قرض دیں

خلاف کیوں نہ ہو تمہارا بار بار مانگنا — اور اس پہ دل لگی کہ شیر سے کچھار مانگنا
تمہیں بتاؤ کس طرح سے ہو نہ بار مانگنا — یہ کس نے تم سے کہہ دیا کہ اختیار مانگنا

کبھی جو کوئی سر چڑھائے اس کے بال کاٹ لو
دکھانے کو جو چومے مُنہ تو بڑھ کے گال کاٹ لو

جو چیز ہضم ہو گئی پھر احتیاج قے نہیں — اتر کے نشہ جس کا ہو خمار یہ وہ مے نہیں
جو بھیک مانگ کر ملے حکومت ایسی شے نہیں — یہ تان بے سری ہے ایسی جس میں کوئی لے نہیں

وہ شے زمانے بھر کی دقتوں سے جس کو لے کوئی
تمہیں بتاؤ ٹھنڈے دل سے کیونکر اس کو دے کوئی

سروں پہ بھوت ہوم رول کا جو یہ سوار ہے — بلا بلا کے سر ہر ایک جس سے بیقرار ہے
اتارنے کا عاملوں کو گو کہ اختیار ہے — مگر کچھ ایسا تجربے پہ ان کو اختیار ہے

ادھر تو شور و غل تمام ادھر فقط سکوت ہے
کہ جانتے ہیں خود سے بھاگ جائے گا وہ بھوت ہے

دماغ پر زیادہ جن کے ہو گیا کچھ اثر — یہ جن پہ اشتباہ تھا کہ پھوڑ لیں نہ اپنا سر
الگ تھلگ بٹھا دیا انہیں حصار کھینچ کر — سنی نہ ایک کی بہت کیا کئے اگر مگر

سوال پر یہ کہہ دیا یہی علاج ٹھیک ہے
اسی عمل سے اب مریض کا مزاج ٹھیک ہے

جو دیکھتے ہو جاگتے ہیں آج کل وہ خواب ہے
نتیجہ اس کا خود تمہارے واسطے خراب ہے
تمہارے حوصلوں کی کوئی حد ہے کچھ حساب ہے
تمہارا بر محل سوال کتنا لاجواب ہے

خلاف وقت بھر دیں یہ کشمکش فضول کی
کسی کو دھن ہے جنگ کی کسی کو ہوم رول کی

تمہارا جس قدر ہے دودھ کا ابال ہے
ارادہ مستقل رہے بھلا یہ کیا مجال ہے
جو پڑ چکیں ہیں عادتیں وہ چھٹ سکیں محال ہے
جو کل تھا یہ بتاؤ آج بھی وہی خیال ہے

تمہیں تو جانتے ہیں ہم اسی سے ہول اور ہے
تمہارا فعل اور ہے تمہارا قول اور ہے

لہو لگا کے کیوں شہید اپنا نام کیجئے
برابری کا کونسلوں میں انتظام کیجئے
سکت بڑھے کچھ آپ میں وہ اہتمام کیجئے
خود اپنے گھر کے تفرقوں کی روک تھام کیجئے

پریس ایکٹ ٹوٹے جب مطالبات کیجئے
زبان کھول لیجئے تو کوئی بات کیجئے

بہن نے مادر وطن کی کیا تمہیں پڑھا دیا
ذہین بھانجا سمجھ کے اک سبق بتا دیا
غضب تو یہ کیا کہ مانگنے کا ڈھب سکھا دیا
مطالبہ کیا تو یوں کہ سب نے غل مچا دیا

وہ چیز مانگنے لگے جو عقل سے بعید ہے
کہے سنے میں آ گئے عجیب زن مرید ہے

ابنائے وطن

سپوتو! مادرِ ہندوستان کے واہ کیا کہنا
نہ وضع خاندانی ہے نہ مذہب ہے نہ ملّت ہے

سیہ چہرے پہ ہلمٹ یا کہ گوبر پر لگر مُتّا
فقط اغیار کی تقلید میں اب تو یہ صورت ہے

تمازت سے سیاہی اور چہرے کی نہ بڑھ جائے
کہیں کالے نہ کہلائیں فقط اس کی حفاظت ہے

یہاں تک رفتہ رفتہ بڑھ گیا ہے خبط فیشن کا
نہ ڈاڑھی کی بزرگی ہے نہ کچھ مونچھوں کی عظمت ہے

جو ایک ٹیکا لگائے مونچھ کا ہیں ناک کے نیچے
مرید حضرت ہیوٹ ہیں فیشن سے عقیدت ہے

وہ جن کی شکل پر لوگوں کو اکثر بدگمانی ہے
زنانے تو نہیں ہیں صرف کرزن سے محبت ہے

سمجھئے ہند اک بازیچۂ اطفال ہے جس میں
کوئی مٹی کا بوا ہے کوئی پتھر کی مورت ہے

یہ سب ہیں مادرِ ہندوستان کے سوگواروں میں
وہ گویا مر گئی کریا کرم کی ان کو حاجت ہے

ابھی کیا ہے یہ انگلش سٹنیاسی بھیگ انگیں گے
بنانا مشکل ہی کا گرچہ معیار لیاقت ہے

بھلا اہل وطن کے دل میں اس کی کیا بزرگی ہو
وہ لیڈر ملک وملت کا جو ایک لونڈے کی صورت ہے

کسی کا منہ چڑھاؤ گے تو وہ خوش یا خفا ہوگا
چلے گر چال کوا ہنس کی اس میں قباحت ہے

کبھی ایثار و ہمدردئ قومی کا بھی دھیان آیا
لباس غیر کی تقلید ہی یا بے ضرورت ہے

بزرگوں کی کمائی نذر فیشن کر کے کیا حاصل
کبھی سوچو تو اس میں فائدہ ہے یا مضرت ہے

جئے تو پیٹ پالا غیر کے لطف ترحم پر
نہ اپنے بس میں غلہ ہے نہ قابو میں تجارت ہے

کفن بھی غیر ہی دیں جب ملے ہندوستانی کو
کم از کم بعد مرنے کے بھی ڈیوٹی کی ضرورت ہے

کمائی عمر بھر کی کھو کے بی اے کی سند لے لی
ال ال بی پاس ہونے پر تو اب فاقوں کی نوبت ہے

کبھی گر اتفاقاً بحث ہی کرنا پڑی ان کو
تو پھر کیا پوچھنا سننے کے قابل درحقیقت ہے

موکل سے ادھر پوچھا اُدھر دھرا دیا جج سے
سمجھنے کی نہ ان کو سوچنے کی کوئی حاجت ہے
صدا گونجی ہوئی ہے ان کی کمرے میں عدالت کے
خدا رکھے یہ شہنائی ہیں ان کا دم غنیمت ہے
مؤکل ان کو پہچانے نہ یہ اپنے موکل کو
اکھاڑہ ان وکیلوں کا خفیفہ کی عدالت ہے
ال۔ایم۔ایس کی سند لے کر جو ابنائے وطن نکلے
تو پھر اہل وطن کی جان پر اک تازہ آفت ہے
یہ پہلے تجربوں میں سیکڑوں کی جان لیتے ہیں
کسی کو گرچہ معمولی سی تپ ہے یا حرارت ہے
انھوں نے تھرمامیٹر منہ میں رکھ کے کہہ دیا دق ہے
بڑا سا پھیپھڑے میں زخم اور اس میں عفونت ہے
سمندر کی ہوا بیمار کو از حد ضروری ہے
رہے یہ جا کے الموڑے پہ تو امید صحت ہے
لکھا نسخے میں تھیسس پلز۔ نمبر چار ای پوڈر
بجز ان کے دواخانے کے ملنا جس کا دقت ہے
مریض جاں بلب سے ڈاکٹر صاحب یہ کہتے ہیں
ہمیں چوبیس گھنٹے پیشتر لکھو کہ حاجت ہے

مرض کی طرح ان کی فیس گھٹتی بڑھتی رہتی ہے
کہ ان کے رات کے دام اور دن کی اور قیمت ہے

معزز ورنہ یہ پیشے جو ایسے کار آمد ہیں
کہ جن سے جان و مال و آبرو سب کی حفاظت ہے

ہوئے ہیں اس قدر بدنام جس کی حد نہیں کوئی
پڑے ہیں ایسے ہاتھوں میں کہ جن سے ان کی ذلت ہے

لگا دیں پار بیڑا قوم کا امید تھی جن سے
جہاں لکھ پڑھ کے لائق ہو گئے ان کی یہ حالت ہے

جو خود کامی کا پہلوے کے دل میں کچھ خیال آیا
کمشنر بن گئے میونسپلٹی پر عنایت ہے

مگر ان سے زیادہ قابل الزام ہے پبلک
کہ جس کی انتخابی آنکھ اتنی بے بصیرت ہے

سوال اس قسم کے کرتے جو ہوں اجلاس کونسل میں
بھلا ایسے نمائندوں کی پبلک کو ضرورت ہے

سبب کیا ہے جواب کی مرغیوں نے کم دئے انڈے
گورمنٹ اس سے واقف ہو تو بتلا دے عنایت ہے

یہی وہ لکڑیاں ہیں جن کے دستے ہیں بسولوں میں
انھیں کی وجہ سے قطع و بُریدِ نخل ملت ہے

حکومت کے بسولے سے جہاں قربت ہوئی ان کو
تو اپنوں ہی کی جڑ کاٹیں یہ ان کی خاص عادت ہے

انھیں کے حال پر سڑکیں پڑی آنسو بہاتی ہیں
کہ جن کے ہاتھ سے بارانِ رحمت وجہ زحمت ہے

بنے ہیں جب سے ٹمینل ہر سڑک دریا کا بچہ ہے
اگر بارش ہوئی تو ناؤ پر چلنے کی حاجت ہے

گڑھے اتنے پڑے ہیں سیتلا متہ داغ ہیں سڑکیں
یہ سب ابھرے ہوئے کنکر ہیں یا چیچک کی شدت ہے

یہ کس کی آبرو ریزی ہوئی ہندو مسلمانو!
تمہارا بھائی اک پیدل اگر کیچڑ میں لت پت ہے

سول میں ممبروں کا منہ نظر آتا ہے سڑکوں پر
وہ آخر آئینہ رہتی ہیں کیونکر سخت حیرت ہے

یہی نا موٹروں پر وال ولی نعمت نکلتے ہیں
یہاں ہندوستانی کوچہ گردی جن کی عادت ہے

سڑک پر ٹھوکریں کھانے سے چاہے ہاتھ منہ ٹوٹے
وبا بدبو سے پھیلے کیوں یہی حفظانِ صحت ہے

گڑھے میں ناتواں گر کر کوئی مرجائے کیا پروا
انھیں لاوارثوں کی اسپتالوں میں ضرورت ہے

الکشن کا زمانہ ہو تو ممبر گھومنے نکلیں
وہ ضمناً دیکھ لیں یہ بھی کہ کیا سڑکوں کی حالت ہے
بنایا ہے خدا نے شہریوں کو ٹیکس دینے کو
گدھوں پر بوجھ ہے بھاری گدھے والوں کو راحت ہے
نکالے جا رہے ہیں بے حسوں کے خون کے قطرے
سول کے واسطے فٹ پاتھ پر سرخی کی حاجت ہے
ہر اک ناداراسے ٹون امپرومنٹ اب یہ کہتا ہے
تمہاری خانہ بربادی ہماری وجہ زینت ہے
خداوند مجازی صاف لفظوں میں یہ کہتے ہیں
غریبوں کے لئے دیہات اب جائے سکونت ہے
فضائے لکھنؤ اب تنگ ہو گی تنگ دستوں پر
یہاں تک پاؤں پھیلائیں گے جن کے پاس دولت ہے
وہ مفلس قحط کے باعث جو مردوں سے بھی ہیں بدتر
نکالے جائیں گے قبروں سے بھی یہ کیا قیامت ہے
بنیں گے واں طویلے رائے صاحب خانبہادر کے
جہاں ٹوٹا شوالہ یا کہ مسجد بے مرمت ہے
ہمیں غیروں سے کیا مطلب وہ کیوں ہمدرد ہوں آخر
ہمیں تو ہاتھ سے اپنوں ہی کے ساری شکایت ہے

نظر آتا ہے سبزہ ہر طرف ساون کے اندھوں کو
وہ کیا جانیں مصیبت سہ کے کس کی زرد رنگت ہے

خدا کے واسطے اب انتخاب ان کا کرے پبلک
جنھیں کچھ پاس مذہب ہے جنھیں کچھ درد ملّت ہے

وہ دیکھو سو رہے سب سننے والے کس سے کہتے ہو
ظریف اب چپ رہو تم بھی کہ طولانی حکایت ہے

کفّار سے یارانہ

مسلم سے تنفّر اور کفار سے یارانہ
آخر یہ قلابازی کیوں کھا گئے مولانا
لچھمی کی محبت نے دل موہ لیا اتنا
منہ موڑ کے کعبے سے پہنچے سوئے بتخانہ
اسلام تعجب سے انگشت بدنداں ہے
مرگھٹ میں ہیں جلتے شمع توحید کا پروانہ
تھالی میں سیاست کی بیگن کی طرح لنڈھکے
"اور اسکو سمجھتے ہیں اک چال حریفانہ"
پبلک کے پھنسانے کو سب جال کے پھندے تھے
یہ ریش یہ عمامہ اور سجۂ صددانہ

مالوی و مولوی

شخصیت بڑھ جائے جب اتنی کہ جس کی حد نہ ہو
تھے برائے نام جو نائب وہ بن بیٹھے امام

وہ شریعت، ناز تھا اسلام کو جس شرع پر
یعنی خلق اللہ کے جمہور کا سادہ نظام
خود غرض اشخاص استعمال جب کرنے لگیں
حسب مرضی اپنے پھر قانون کو کیا اس سے کام
معنی حبل المتین کو بٹ کے رسی کی طرح
گتھیاں ہر بات میں پیدا کریں بہر عوام
ان کی یا ان کے مریدوں کی ہو جس میں منفعت
وہ حلالاً طیباً اور مابقی ہر شے حرام
بند کر کے آنکھ پوجے جائیں ایسے خود غرض
ایسے لوگوں کا اگر واجب ہو سب پر احترام
گر اسی کا نام دینداری ہے مذہب ہے یہی
ایسی دینداری پر لعنت ایسے مذہب کو سلام
بڑھ گئے ہیں گاؤدی گر قوم میں بے انتہا
اور نہیں پہچانتے وہ صورت نور و ظلام
ان کو لازم ہے کہ مل کر بیل کشا اک بنائیں
اور اک میلے کا فیض آباد میں ہو اہتمام
گھاگرا کے پاس باڑہ ہو اگر کوئی وسیع
بیل رکشا کی نمائش کا وہاں ہو انصرام

جتنے قومی سانڈ ہیں ان کو نمائش میں بلائیں
یہ بھجن منبر پہ چڑھ کر گائیں واعظ صبح وشام
"ایھا الناس آپ کو لازم ہے ان سانڈونکی فکر
ان کے بچھڑے قیمتی ہوں گے بہت آئیں گے دام
مول لے لیں گے بڑی قیمت پہ پنجابی کسان
باپ کی جاگیر کا کرنا ہے جن کو انتظام
جوت ڈالیں گے اودھ سے لے گے یہ پنجاب تک
مزرع قومی کا باقی پھر نہ رہ جائے گا نام
گھوم پھر کے یہ لگائیں گے بچھیاں اپنے ساتھ
نسل خود اپنی بڑھا لیں گے یہ ہنگام قیام
یہ زکوٰۃ وخمس کی سانی کہاں تک کھائے جائیں
ان کی خاطر کیجئے قومی چراگاہوں کو عام
یہ جہاں چاہے چریں ان کو نہ کوئی کچھ کہے
چھوڑنا ان کو ثواب اور باندھنا ان کا حرام
فائدہ ہی فائدہ ہے آپ کو اس کام میں
ہوں گے اس تقلید سے ہندو بھی دلمیں خوش تمام
مالوی جی ان کے لیڈر ان کے لیڈر مولوی
اور دوپٹہ بھی ہے ان دونوں میں اک تشبیہ تام

ان کو عظمت ہو یہ بے چارے مذلّت میں رہے
کون سا انصاف ہے کچھ غور کیجے، والسّلام

انریری!

یہ پوچھا مجھ سے آکر ایک ناواقف مسلماں نے
کہ لفظ آنریری کے سمجھنے میں ہے دشواری
اسی کے دم میں اکثر لوگ عہدے باندھ دیتے ہیں
بلا تفریق کے چاہے وہ قومی ہوں کہ سرکاری
کہا میں نے منیں سرکار، کل اقوام عالم میں
ہے مطلب صاف اس کا ایک عزت دار بیگاری
ادائے خدمت مخلوق سے ہے جس کو دلچسپی
پرایا کام کرنے کو جو سمجھے شغل بیکاری
ہے سب سے قیمتی شئے وقت ہی اس دار دنیا میں
اسی کو وقف کر دینا ہے اک فعل جگر داری
بلا تنخواہ کے لوگوں کا خدمت گار بن جانا
یہی بس کسر نفسی ہے یہی عین روا داری
غلام ایسا کہ مالک قوم کی ہر فرد ہو جس کی
بلا اجرت کا مزدور اکس و ناکس کا بیگاری

وہ رہرو دو قدم ہمراہ چلنا جس کے مشکل ہو
وہ لاوارث کا مردہ ہو جو دوش قوم پر بھاری
وہ خودرو گھانس جس کو نوچ ڈالے جس کا جی چاہے
وہ سبزہ جس کی پامالی کو لازم تیز رفتاری
وہ بے دین فرد جس کا کوئی مذہب ہو نہ ملت ہو
وہ کافر بے گنہ بھی قتل جس کا عین دینداری
وہ قومی ٹارگٹ جس پر نشانہ مارنے والے
کریں آنکھوں کو بند اور ہاتھ کی دکھلائیں تیاری
وہ اک برگشتہ قسمت خدمت بے لوث کا جسکی
صلہ لعنت ملامت اور نتیجہ ذلت و خواری
وہ اک پتھر کی مورت قلب پہلو میں ہو جس کے
کرے ہر شخص حسب حوصلہ اس کی دل آزاری
وہ جنس بے حقیقت قدر ہو جس کی نہ قیمت ہو
وہ کوٹا پھونک دیں عندالضرورت جسکو بازاری
چڑھا دینے کو قربان گاہ پر اک مفت کا بکرا
کہ جس کا قوم کی منڈی میں مالک ہو نہ بیپاری
ظریفؔ اک مختصر تشریح ہے مطلب سمجھنے کو
دگرنہ ائنریری میں ہے گنجائش بڑی بھاری

اخبار

ہے حقیقت میں یہ اخبار کا فرضِ اول
دشمنِ عام نہ ہو خاص طرف دار نہ ہو

اپنی آزادی کو بیچے نہ کسی قیمت پر
اور غلامی کا دل و جان سے خریدار نہ ہو

جو لکھا جائے وہ ہو حدِ زباں کے اندر
سنسنی خیز مضامین کا طومار نہ ہو

جو لکھے اپنے بھروسے پہ لکھے لطف یہ ہے
غیر کے طائرِ مضمون کا چڑیمار نہ ہو

کسی ظالم کے مظالم سے علاقہ رکھ کر
ظلم کی کاشت کرائے وہ زمیندار نہ ہو

کہے دل کھول کے سچ شرط فقط اتنی ہے
فتنہ انگیز نہ ہو حامیٔ اشرار نہ ہو

ہاں اگر غیر کا حملہ ہو تو لازم ہے دفاع
دب کے خاموش ہو اس طرح کا بیکار نہ ہو

بیوقوف اس سے زیادہ کوئی ہو سکتا ہے
کہ لڑے غیر سے اور ہاتھ میں تلوار نہ ہو

رضا کاروں سے!

یونہی تم بمبئی سے تا بہ جدہ بے خطر جانا
بغل میں داب کر تونبی سمندر پار کر جانا

لنگوٹی باندھ لینا یہ تمہارا یونی فارم ہے
میاں مجنوں کی صورت نجد کی جانب اگر جانا

برا ہوتا ہے بھیا سامنا دشمن کے رَیفل کا
بہت آسان ہے مدقوق ہو کر گھر پہ مر جانا

جو دشمن گھیر لے کہنا کہ پردیسی مسافر ہیں
جو پوچھے کوئی لڑنے آئے ہو انکار کر جانا
ہمیشہ مرکز قومی سے اپنے بھاگتے پھرنا
قرار اک جا نہیں اچھا ادھر جانا ادھر جانا
خوشامد ان کی کر لینا پڑے جب دھونس غیروں کی
مگر اپنے اگر جھک کر ملیں ان سے بگڑ جانا
کبھی چندہ نہ دینا وعدے کر لینا ہزاروں کے
اگر ہو دسترس قومی امانت ہضم کر جانا
کرو چندے فراہم اور بیت المال بنجاؤ
سپاہی کیوں بنو بس قوم کے دلال بنجاؤ

بگڑے ہوئے نوجوانوں سے!

اے معین المہام لہو و لعب		قوم کی فاقہ مستیوں کے محب
صدر آرائے رزم گاہ پتنگ		پون تادا نواز نکل جنگ
بھیڑ یا قدر مانگ ڈار الملک		جمدھر الدولہ وکٹار الملک
غافلان زمانہ کے سردار		مزرع مسرفاں کے پٹی دار
کام کی بات میں تو عذر لنگ		اب تو ہیں آپ اور شغل پتنگ
طبع اقدس کے گو یہ ہوگا خلاف		عرض کرنا پڑا قصور معاف

من سے لنگر لڑائے کیوں پوّا — ہنس کی چال کیوں چلے کوّا
آپ میں اور دوسروں میں ہے فرق — ایک جگنو تو دوسرا ہے برق
رقم سود سے جوڑے کوئی کیپ — کس کے سر پہ پڑی پلٹ کے یہ ٹھپ
رشتہ عمر گھٹ رہا ہے روز — یاں وضو پہ وضو ہے گوز پہ گوز
میر صاحب خطا معاف میری — عرض اب سنئے صاف صاف میری

عمر فانی کا اعتبار نہیں — کچھ جوانی کا اعتبار نہیں

دوڑ کے گولے چرخیاں لیکر — رہیں میدان قلعہ میں دن بھر
جن کے اجداد لڑتے تھے تلوار — خلف ان کے لڑائیں پٹی دار
غیر ورزش کریں پٹا سیکھیں — آپ کنکوے لوٹنا سیکھیں
غیر میدان میں جا کے بانا ملائیں — آپ چرخی لئے پتنگ لڑائیں
آپ پاپڑ پتنگ کے بیلیں — وہ اکھاڑے میں روز ڈنڈ پیلیں
گر یہی غفلتیں ہیں بندہ نواز — خود بخود ایک دن کھلے گا یہ راز

بھائی صاحب اب اک ذرا ہوشیار — نہیں باقی رہی وہ فصل بہار
یوسف کارواں عقل و تمیز — وقت سی شے کو بھی کیا نہ عزیز
بے گرے فن کا اعتبار نہیں — کہ ہوا پر کچھ اختیار نہیں
گر کٹے تو گرہ سے کچھ کھویا — کاٹے میں ملا بتائیے کیا؟

یہی ناکہ اک صدا لگا اڑا لٹا   واہ اُستاد واہ وہ کاٹا

بے سکت کے تہمتنی کب تک   یہ وشیقے کی روشنی کب تک
جھلملاتا ہے آبرو کا چراغ   عرش پر آپ کا ابھی ہے دماغ

یاد فرما کے تنگ دستی کو   چھوڑ دیجئے اس ہوا پرستی کو
صرف ہوتا ہے تیغ میں جو فضول   اس سے صنعت کا کھولئے اسکول

شریعت کی مہار

ناقہ لیلےٰ کے بچے اے بعیر ذی وقار
قوم شیعہ تیرے استبداد کی دم پر نثار
تیرے چہرے سے نمایاں اک شرارت کی شبیہہ
خود نمائی جس کا شیوہ سرکشی جس کا شعار
تیری آنکھیں بحر عیاری کے گویا دو حباب
کان جن میں کلمہ حق کی صدائیں ناگوار
اُم صبیاں سے زیادہ تیرے تھوتھن کی گرفت
پنجہ دست قضا کے مثل وقت گیر و دار

دانت تیرے پنجۂ موذی سے بڑھ کر سخت گیر
ناک میں تیری دکھانے کو شریعت کی مہار
کیا دولتی جھاڑتا ہے مظلموں کو لاد کو
فطرۃً سرکش ہے تو لیکن بظاہر بردبار
اپنی کبڑی پیٹھ پر لادے ہوئے قومی حقوق
کتنے اطمینان سے چلتا ہے تو مستانہ وار
زینت گردن تری گُل قوم کی لعنت کا طوق
اس سے ظاہر ہے کہ تو نے کھو دیا سب اعتبار
دیکھنے میں کس قدر سیدھا ہے تو اے زرد رُو
کج روی سیکھا ہے تجھ سے ابلق لیل و نہار
قوم کو باہم لڑا دینے میں تیری ذات فرد
میرے قومی اونٹ اے جنگ جمل کی یادگار
بال میں اک باندھ کر تو نے جو لٹکائی تھی تیغ
اتفاقاً چل گیا اُس کا تری گردن پر وار
ڈال دی انجام بینی سے حکومت نے نکیل
جا رہا تھا ورنہ تو گردن اٹھائے بے مہار
پیٹ تیرا قوم کی گاڑھی کمائی کے لئے
وقف ہے کھا کر نہیں لیتا کبھی تو اک ڈکار

تو جو امرود ہے" کا کانٹا بے تکلف چر گیا
قعر معدہ میں چبھا تیرے وہی انجام کار
بلبلاتا ہے شتر خانے میں بے چینی کے ساتھ
گرد تیرے جمع بلیسوں ساربانِ غم گسار
کوئی آیا ہے سہارن پور سے لے کر دوا
تیل رینڈی کا پلانے منہ کے اندر دے کے نار
اور کوئی خاکِ شفا تجھ کو چٹانے کے لئے
چپکے چپکے پڑھ رہا ہے کچھ دعائیں بار بار
کوئی خالی نیم کی ٹہنی ہلا کر دُور سے
کہہ رہا ہے کھا بھی جا نخرہ نہ کر اے بد شعار
کوئی کہتا ہے اسے لے جاؤ پٹنہ ہسپتال
ورنہ اس کی زندگی کا اب نہیں کچھ اعتبار
اور کوئی پنجاب سے آیا ہے گھبرایا ہوا
مال و زر اپنا مدادا پر ترے کرنے نثار
کوئی کہتا ہے کہ اس کو نحر کرنا چاہیئے
عید قرباں کو حسین آباد میں لے جا کے پار
الغرض ہیں جتنے منہ اتنی ہی باتیں مختلف
اختلاف باہمی میں کس پہ کیجے اعتبار

اظہارِ تمنّا

یوں کمیشن کا تماشا روز دیکھا کیجئے
ملک کے دلاّل بنئے اور جھگڑا کیجئے

اک طرف قومی محبت اک طرف شوق پلاؤ
جان مضطر کشمکش میں پڑ گئی کیا کیجئے

جب تصادم منفعت میں ہو نتیجہ الفراق
اتحاد باہمی کا راگ گایا کیجئے

کچھ نشاں باقی نہیں قشقہ پرانا ہو گیا
چل کے پنڈت جی کے اب قدموں آ سجدا کیجئے

پھینکئے کھدر کا اب تھیلا پرانا ہو گیا
ڈال کر زنار کو گردن میں گھوما کیجئے

بن پڑے ہندو سبھا کے بنئے اب پردھان آپ
جنم بھومی میں گئو ماتا کی رکشا کیجئے

شاہ کابل آئیں جب لے جایئے زر تار ہار
اور اس صورت سے اظہار تمنا کیجئے

زباں چارہ جو ہے آج

ٹیبل پہ ساز و برگ گلوداشتہ ہے آج
مثلِ زباں ضیافتِ کام و گلو ہے آج

اللہ رے سیلِ اشربہ و اطعمہ کا زور
زاہد کے دل کو خوفِ شکستِ وضو ہے آج

کایا پلٹ گئی ہے ڈنر سے زمانے کی
وہ بھی ہے شیرِ نر جو کوئی مادہ رو ہے آج

چیں بر جبیں ہے صحبتِ زندانِ مست میں
زاہد سے بڑھ کے کون بھلا بانگڑو ہے آج

ڈش مدعی بنامِ شکم مدعا علیہ
دائر مقدمہ ہے زبان چارہ جو ہے آج

قوم کے غدّار

ہمیشہ اک نہ اک دینے نیا آزار بیٹھے ہیں
جہاں بھی صدر بن کر قوم کے غدار بیٹھے ہیں

لگائیں گے یہ بیڑا پار کیا کشتی ڈبو دیں گے
جو قومی ناؤ کھینے تھام کر پتوار بیٹھے ہیں

اسی کو لوگ کہتے ہیں شریعت کا شترغمزہ
ڈرامیٹک کلب میں باندھ کر دستار بیٹھے ہیں

اسی کا نام ہے بگلا بھگت کہتے مقدس ہیں
جو چھوٹی مچھلیوں میں بن کے بوتیمار بیٹھے ہیں

انھیں پر لیڈروں کی انگلیاں اٹھتی ہیں محفل میں
وہ دیکھو سائمن صاحب کے خدمتگار بیٹھے ہیں

شترخانہ بنے گا ناقہ، کالج کا سنتے ہیں
اسی سے لکھنؤ میں جم کے ٹھیکہ دار بیٹھے ہیں

ذرا دیکھو تو وہ خم خانہ، وقفی کے متوالے
شراب تولیت کے شوق میں سرشار بیٹھے ہیں

'بیا' سی چونچ کھولے دادیٔ پرخارِ قومی میں
بولوں پر انھیں کے طالب دیدار بیٹھے ہیں

نظر گِدھ کی طرح پر کس قدر ہے دوربیں ان کی
نہیں ٹلتے جہاں پر دیکھ لیں مُردار بیٹھے ہیں

انیلے ہیں یہ شوفر قوم سے لڑ جائے گی موٹر
چلانے درسگاہ مغربی کی کار بیٹھے ہیں

عید قُرباں اور پانی

پرلشیر گھٹ کے انجن ہو گیا بے کار ایماں کا
الٰہی اب محافظ ہے تو ہی ہر اک مسلماں کا

تڑپتے تھے نمازی ماہی بے آب کی صورت
نظارہ دید کے قابل تھا اب کی عید قرباں کا

تھا قحطِ آب ہر سو شربت دیدار سے بڑھ کر
ہمارا لکھنؤ تھا اک نمونہ کوئے جاناں کا
یہ بی میونسپلٹی جاں کا ادنیٰ کرشمہ تھا
جلا کر خاک کرنا عاشقوں کے قلب سوزاں کا
مئی کی بیسویں تاریخ گرمی کی یہ شدت تھی
کہ چہرہ تمتما اٹھا تھا خود مہر درخشاں کا
زبان حال سے کہتا تھا بمبا اے مسلمانو!
نہ پانی مجھ میں باقی ہے نہ تم میں جوش ایماں کا
نہیں پانی تو قربانی کو اب کی ملتوی کر دیں
دلالت فرض پر کرتا نہیں جب حکم قرآں کا
مسلمان ممبروں پر فرض قومی ترجمانی تھی
کہ بے مانگے ہوئے بچے نے پایا دودھ کب ماں کا
انھیں تکلیف کا احساس پبلک کی اگر ہوتا
اثر انجن پہ جا کر ڈالتے کچھ قلب سوزاں کا
سنو جو لوگ اپنی قوم کے ہمدرد ہوتے ہیں
اثر ہوتا ہے ظاہر ان کی ہر سعی نمایاں کا
مہا بیروں کا میلہ چار دن میں آنے والا ہے
تماشا دیکھنا دریا دلی کے جوش طوفاں کا

بہے گا رات کے بارہ بجے سے شہر میں پانی
کہ دل میلا نہ پیکرمے سے ہونے پائے انساں کا
رہے گی صبح سے تا شام ہر بمبے میں طغیانی
پریشر خود بہ خود بڑھ جائے گا انجن علی خاں کا
نہیں قومی وکالت دل لگی بازی ہنسی ٹھٹھا
پسینہ خون دونوں ایک ہو جاتا ہے انساں کا

"ترجمانِ قوم"

یہ قسمت کی قلابازی نہ ہو کیوں وجہ بربادی
کوئی نا اہل بن جائے جو بے قومی رضا ہادی
چلا جو قافلہ سے ہٹ کے وہ گم کردہ منزل ہے
صدا دیتا ہے ہر رہرو کو یہ اسلام کا دادی
فنا ہوتا ہے قطرہ گر جدا ہو جائے دریا سے
نشیمن سے جو تنکا ہو الگ ہے اس کی بربادی
ہم آہنگی میں مضمر ہے سراسر راز قوت کا
مگر ہے تفرقے کا نام شامت اور بربادی
بھجن اپنا الاپے نغمۂ توحید سے ہٹ کر
تو یہ ہے بانگڑ وپن کون اسے کہتا ہے اُستادی

الگ سب سے بجائے اپنی ڈفلی جب کوئی اندھا
تو پھر وہ سورداسی ہے نہیں ہی رام پرشادی

وکالت قوم کی قانون پڑھنے سے نہیں آتی
خصوصاً ہو کتاب عقل ہی جس شخص کی سادی

بناؤ ترجمانِ قوم اس کو کیا حماقت ہے
کہ جس نے چارپائی پر کتابیں چند ہوں لادی

اُسے کیا ماہرِ علم طبابت آپ سمجھیں گے
بندھے گر طبیہ کالج میں کچھ دن اونٹ بغدادی

وہ چاہے صدرِ حلاقاں بنے اُسترہ پکڑے
رگِ قومی پہ ناممکن ہے لیکن کارِ فصّادی

سکوتِ بے محل یوں ہے مضر قومی مسائل میں
تپِ دق میں کھلائیں جیسے معجون زرانبادی

امورِ مذہبی میں مسلموں کے ساتھ سے ہٹنا
پئے خوشنودیٔ کفار ہے اک فعل الحادی

رسول اللہؐ کی الفت فی الحقیقت عین ایماں ہے
دلِ مسلم کے کعبے کی یہی ہے خشت بنیادی

جو اس کعبے کو ڈھائے نفسِ امارہ کی قوت سے
تو پھر زیبا ہے اس کو ابرہہ کی خانہ دامادی

اسے اسلام والے کیا کہیں گے فیصلہ کر لیں
عمارت بزم میلادی کی جس خودرائے نے ڈھا دی

خطابات

گورمنٹ کا ابر رحمت جو بھر دے — خطابوں کے چھینٹوں سے سوکھی تلیاں
اپاہج کھڑے ہوں نہ پیروں پہ اپنے — ذرا گر حکومت چڑھائے گھڑیاں
ٹکے سیکڑہ پھر بکیں رائے صاحب — نہ پوچھے کوئی آم جیسے بھدیاں
گورنر کے بن جائیں جو خانساماں — بنائیں گے وہ قوم کی کیوں رُسیاں
کریں بعض تو سجدۂ احترامی — خوشی سے پڑیں لاٹ صاحب کی پیاں
بنادیں جو سید سے وہ خاں صاحب — تو دوڑے ہر اک پوربی اور پچھیاں
لیاقت سے کیا کام شہرت سے مطلب — ہوئے نامور جیسے شہدوں میں تیاں
یہی تو ہے معراج خاں صاحبی کی — ام ال سی جو بھولے سے کر دے گستیاں
بساطِ سیاست کی اب چال یہ ہے — نہیں گوٹ ملتی تو رکھتے ہیں ڈتیاں
بڑے دن میں جو کیک کھائیں خوشی سے — مزا دیں انھیں عید کی کیا سویاں
چراگاہ کونسل کی رونق ہیں دونوں — مسیحا کی بھیڑیں کنھیا کی گیاں

ظریف ایسے کالے کلوٹوں کے صدقے
کوئی ہے ذرا بڑھ کے لے لے بلیاں

نئی تہذیب

ہوائے مغربی ہے تجھ میں کتنا جذب پنہانی
دھرم ہندو کا غائب اور مسلماں کی مسلمانی

سمندر پھاند کر اک لہر ایسی ہند میں آئی
پہنچ کر جس نے ٹھنڈا کر دیا سب جوش ایمانی

نئی تعلیم تو نے حافظے پر کیا اثر ڈالا
کہ یاد آتے نہیں بھولے سے بھی احکام قرآنی

حیا جامے سے باہر ہو گئی اللہ ری آزادی
ابھی تھوڑی سی بڑھنے پائی تھی تعلیم نسوانی

بڑھے گی روشنی جتنی خود اٹھتا جائے گا سایہ
نظر آئے گی ہر شے اُف رے جلوؤں کی فراوانی

نظر بازو! جوانی ہوگی اس کی دید کے قابل
ابھی تو گھٹنیوں چلنے لگا ہے شوق عریانی

مساوات اس کو کہتے ہیں نئی تہذیب کیا کہنا
کہ یکساں ہو گئی صورت زنانی اور مردانی

نہیں معلوم کس مٹی سے پیدا ہو گئے لیڈر
پُھدکتے پھرتے ہیں ہر سو انھیں کی ہے فراوانی

جدھر دیکھو اُدھر اک انجمن سازی کا طوفاں ہے
جتھے بندی سے ہر گوشے میں پیدا حشر سامانی

بجائے خود الکشن کم نہ تھا میونسپلٹی کا
اب اس پر اور طرہ کونسلوں کی حلقہ جنبانی

یہ معجون مرکّب ہند کو کیا نفع بخشے گی
کہ ترکیب اس کی انگریزی ہے اور اجزا ہیں یونانی

سیاست کے سمندر میں تموّج ہے تلاطم ہے
الٰہی خیر کرنا سر سے اونچا ہو گیا پانی

بچالے ڈوبنے سے کشتیٔ اسلام کو یارب
ہوائیں چل رہی ہیں کیا تلاطم خیز طوفانی

ڈنر دے کے نیابت قوم کی لینا تو آساں ہے
مگر مشکل ہے چرواہے کو گلے کی نگہبانی

ارے موٹر نشیں لِلّٰہ اتنا تو بتاتا جا
کبھی نادار ہم جنسوں کے در کی خاک بھی چھانی

نیابت جن کی نینی تال کی چوٹی پہ کرتا ہے
اُبھار اُن کو بھی پستی سے بہ ہمدردیٔ انسانی

کہیں ایسا نہ ہو ٹھنڈک سے ہمدردی ٹھٹھر جائے
کہیں ایسا نہ ہو جم جائے چشم لطف کا پانی

بھلا دینا نہ اس کو جب ڈنر کھانے کو تو بیٹھے
ہے تیری قوم فاقہ کش کو کیا ایذائے روحانی

پہننا چاہنے والوں کی محنت کا تصدق ہے
یہ سب جو کھا رہا ہے تو مزعفر اور بریانی

جہاز قوم کے گرنا خدا بننے کا دعویٰ ہے
تو دل مضبوط رکھنا جب ہوا چلتی ہو طوفانی

خدا حافظ نصیحت یاد رکھنا پیرِ دانا کی
"چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی"

مفاد قوم کو قربان کریں جو فرقہ بندی پر
تو ایسے ووٹروں کی انتخابی آنکھ ہے کانی

جو بے سمجھے اٹھا دے ہاتھ جب رائیں گنی جائیں
تو اسٹیشن کا سگنل ہے وہ ممبر ظلم کا بانی

سوال اس کے اگر ہوں گے تو بس اس قسم کے ہونگے
گورنمنٹ اس کو بتلا دے زراہِ لطف سلطانی

کہ اب کی فصل میں سرخاب یا قازیں بہت آئیں
زیادہ آج کل صوبے کی ہے کس جھیل میں پانی

بڑا گھاٹا ہوا امسال چمڑے کی تجارت میں
ربر کے جب سے جوتے چل گئے کثرت سے جاپانی

بنایا جائے اک قانون یہ حفظانِ صحت کا
سول سرجن کریں بچوں کی آئندہ مُسلمانی

رفاہ عام کی دو چار باتیں ہم نے بتلا دیں
نہیں تو ایسی تجویزوں کی ہے فہرست طولانی

جہاں یہ قوم کی حالت ہو پھر اسکی شکایت کیا
گراں ہے عقلمندی اور بہت ارزاں ہے نادانی

لیڈر

قوم میں دم نہیں اور قوم کے لیڈر نباش
جیسے گدھ ہوتے ہیں خوش دیکھ کے لا وارث لاش

واہ کیا بات ہے اے قوم کے بچو شاباش
سہل سے دو ہی تو نکلے ہیں پئے فکر معاش

زر کمانا ہے تو پڑھ لکھ کے پلیڈر بن جاؤ
جب وکالت نہ چلے قوم کے لیڈر بن جاؤ

دیکھئے قوم کی تاریخ یہ دیتی ہے پتا
جب کسی قوم کا لیڈر ہوا صرف ایک ہوا

خطۂ ہند میں بہنے لگی الٹی گنگا
ہر طرف لیڈری کی آئی ہوئی ہے بہیا

کہیں چالاک کہیں ہیں بڑے بھولے لیڈر
چھوٹے لیڈر بڑے لیڈر ہیں منجھولے لیڈر

لے لے موٹر نئی اک چاہے وہ خود مٹ کرلے
گھر میں جس طرح بنے بجلی کی رُ دفٹ کرلے

جمع دعوت کے لئے ایک ڈنر سٹ کرلے
اور انگریزی میں کچھ تھوڑی سی گٹ پٹ کرلے

جب یہ سامان مہیا ہو تو پھر کیا ڈر ہے
قوم تسلیم کرے گی کہ بڑا لیڈر ہے

زیب تن تا بقدم سر سے ہو کھدر کا لباس　　چپتی پیر و نمیں ہو جوتوں کی جگہ بارہ ماس
گھومے چرخے کی طرح چاہے نہ ہو ستو کی پاس　　جہلا جمع ہوں جب گرد کرو تم بکواس

مجمع عام میں لازم ہے کہ بولے لیڈر
قوم کہہ دے گی کہ ہاں یہ ہیں منجھولے لیڈر

یا بنالو کوئی کھدر کی ترنگی جھنڈی　　دہا دو اس سمت کرو تم کہ جدھر ہو منڈی
کھاؤ سڑکوں پہ ہوا گشت میں ٹھنڈی ٹھنڈی　　جسم نازک پہ ہو گاڑھے کی فقط اک بنڈی

کچھ برہنہ ہوں تو کچھ باندھے لنگوٹے لیڈر
شور ہو جائیگا وہ آتے ہیں چھوٹے لیڈر

پکے بنتے ہیں بڑے تاؤ سے کچے لیڈر　　ہوشیاری پہ بھی کھا جاتے ہیں غچے لیڈر
نوجواں ہیں کہیں بوڑھے کہیں بچے لیڈر　　اب تو جھوٹے بھی نظر آتے ہیں سچے لیڈر

غیر ذی روح بھی جاندار بھی اب لیڈر ہے
سب تو سب دیکھئے اخبار بھی اب لیڈر ہے

لیڈری کے ہیں بہر کیف بہت سے اقسام　　اک وہ جن کا ہے جینے کے لئے لیڈر نام
اک وہ دعوت سے ریسپشن سے فقط جنکو کام　　اک وہ کام کریں اور نہ سوچیں انجام

واقف کار تو کم اور اناڑی صد ہا
قوم فٹ بال ہے لیڈر ہیں کھلاڑی صد ہا

قوم کے نام سے لندن کی کبھی سیر کرو — قومی سرمایہ کا سب خاتمہ بالخیر کرو
خادم کعبہ بنو رخ طرف دیر کرو — دوستی غیروں سے اپنوں سے کبھی بیر کرو

قشقہ ماتھے پہ لگاؤ کبھی غازی بنجاؤ
گہہ پجاری بنو تم گاہ نمازی بنجاؤ

رنگ گرگٹ کی طرح اپنا بدلتے جاؤ — رخ ہوا کا ہو جدھر آپ بھی چلتے جاؤ
شمع کی طرح غم زر میں پگھلتے جاؤ — الغرض روز نئے سانچے میں ڈھلتے جاؤ

کردو اندھیر بپا بن کے فدائے ملت
قومی اندھے تمہیں کہہ دینگے ضیائے ملت

نام کے شیر گدڑ بھپکیاں دکھلا کے بنو — قائد قوم کبھی قوم کو لڑوا کے بنو
دوست دشمن کے سمندر کی ہوا کھا کے بنو — گھر میں جب بن نہ سکو غیر جگہ جا کے بنو

کام آئے گی پھبتی اسے تم نوٹ کرو
گلے مل جاؤ لنگوٹی پہ کبھی چوٹ کرو

مادر ہند سنی بچوں کی اپنے روداد — ایک ہی گود میں پائی ہوئی تیری اولاد
بھائی بھائی ہیں مگر رکھتے ہیں آپس میں عناد — ایک کے واسطے ہے دوسرا گویا جلاد

نہ محبت نہ مروت نہ رواداری ہے
سر پھٹول ہے کہیں جنگ کی تیاری ہے

کہیں قربانی پہ مذہب کا فقط دار و مدار — پیپل کا کہیں پر ہے مجسم اوتار
ہے کسی ہاتھ میں ترسول کسی میں تلوار — خانہ جنگی کا ہے اعلان غرض ہر تیوہار

عید آئی تو گلے ملتے ہیں تلواروں سے
ہولی اب کھیلتے ہیں خون کے فواروں سے

بال و پر ٹوٹ چکے قوتِ پرواز نہیں — حالِ دل کون سُنے جب کوئی دمساز نہیں
ہم ہیں اور کنج قفس کوئی ہم آواز نہیں — اب یہ حالت ہے ظریفؔ اسمیں کوئی راز نہیں

نہ تڑپنے کی اجازت ہے نہ فریاد کی ہے
گھٹ کے مرجاؤں یہ مرضی مرے صیاد کی ہے

طوائف اور ممبری

تمام شہر کے اوباش اس پہ ہیں مسرور
کہ جان بچ گئی نازل نئی بلا نہ ہوئی
تماش بینوں پر امسال ٹیکس بندھ جاتا
مقامِ شکر ہے ممبر جو "دلربا" نہ ہوئی

میونسپلٹی

واہ بی میونسپلٹی جان کیا کہنا ترا — تو چھی لیلے کی عاشق ترا مجنوں کا بچا
اپنی خودداری کو کھو کر تجھ پہ جو شیدا ہوا — بیخودی میں یہ زباں حال سے کہتے سُنا

بسکہ دیوانہ شدم عقل رسا درکار نیست
عاشق میونسپلٹی را حیا درکار نیست

تیرا خواہشمند ہر قید لیاقت سے بری جس کا جی چاہے لڑے اور لڑ کے لے لے ممبری
عہد آزادی نے ایسی ڈال دی ہے ابتری اب تو ہر تانیث اور تذکیر میں ہے ہمسری

تجھ کو کیا رنڈی ہے کوئی یا کہ رنڈی باز ہے
تیرا دروازہ کس و ناکس کے اوپر باز ہے

جمع کر دے قرض ہی لیکر ضمانت کے پچاس دور ہو تی جائے غیرت جب الکشن آئے پاس
ووٹروں کے ہاتھ جوڑے خوب ہو کر بدحواس گڑگڑا کر ہر کس و ناکس سے ہو یہ التماس

رہن پیچے کے عوض عزت مری کر لیجئے
اپنے بچوں کا تصدق ووٹ مجھ کو دیجئے

سنیئے اک صاحب کا قصہ جب ہوئی شامت سوار یہ ضمانت کر کے داخل بن گئے امیدوار
چھوڑا پیشہ ترک فرمایا جو کچھ تھا کاروبار کچھ اثاث البیت بیچا کچھ لیا سودی ادھار

مضطرب رہتے تھے یہ نام آوری کے واسطے
گھر سے نکلے ووٹ لینے ممبری کے واسطے

سب سے پہلے ان کو جس ووٹر کے گھر جانا پڑا شیخ بدھو نام تھا اور تھا جلاہا قوم کا
دھوتی باندھے مرزئی پہنے تنا بیٹھا ہوا اک سڑا مٹی کا حقہ پی رہا تھا کج ادا

جاتے ہی تسلیم کی جب اس کو باصد احترام
منہ کو ٹیڑھا کر کے بولا، کوہے بالیکم سلام

بولے یہ پہلے نہ آیا میں ہوا اتنا قصور شیخ بدھو آپ مجھ پر رحم فرمائیں حضور
آپ کو والد کہا کرتے تھے بھائی اب سے دور میں بھتیجا آپ کا ہوں ووٹ لیلونگا ضرور

بولے بدھو کا کہیو ہم کہکا کہکا بوٹ دئے ای
بوٹ پہیئے اُو جو ترتے ہمکا دس کا نوٹ دی ای

ساس یہ مینا سپٹی ہے نہ جانے کیسا بلا   اور تم ممبر جو ہوئی جیہو تو ہمرا پھانڈا
ہم کبھو تم کا نہ دیکھا اور نہ تمرے باپ کا   اودے ای اوت بنایو بن نہک ہم کا چچا
ہوئی گوا ہسیار بڑھوا تم چلے ہو چوٹ دئے
کان پکڑا ہم نہ جاؤب اب کہو کا بوٹ دئے

ہم یہی تریا پہ اک دن بیٹھ کے موتا جرا   کا کہی ہو، جھٹ دے چالان ہمرا ہوئی گوا
جب کوؤ ممبر نہ آوا اور نہ پوچھس کا بھوا   ہم کچہری ما مجھٹرٹے سے اُجر داری کیہ
مکدما جھوٹا ہے صاحب ہم ہاں یہ ہوتا نہیں
سچ کہی مینا سپٹی پر کبھو موتا نہیں

جب سرتے دار بولا لائے ہو کوا دو گواہ   ہم کہا سسرا اجمادر دا ہس ہم کا تباہ
ہم جلاہا آپ کے اور آپ ٹھہرے بادساہ   الگم کون کہہ کے سامنے موتت ہی منا جب داہ دا؟
ہنس کے کہہ دیہس مجھٹرٹ دیکھ جی جاؤ بری
رہ گئی منہ بائے کے سب ممبرن کی ممبری

سن لیہو ساری کتھا دیہو کہ ناہیں یہ بتاؤ   بوٹ مانگے آئے ہو ہم سے تو ہم کا کچھ دلاؤ
کرچکن بکواس اب بھیا نہ ہمراہ موڑ کھاؤ   کہہ دیا بس کہہ دیا اب جاؤ چپے گھر کا جاؤ
جو رکم تم سے کہا سب ہیسگی لے لیب ہم
بوٹ دے موٹر پہ لے جیہو تو ہاں دے دیب ہم.

جب میاں بدھو کے تیور اس قدر دیکھے کڑے   داہنے بائیں دیکھ جھٹ قدمونیہ اس کے گر پڑے
دل میں پچھتائے کہ آخر کیوں ہوئے تھے ہم کھڑے   کہیئے ایسے جاہلوں سے کیا کوئی کشتی لڑے

آبرو کے ساتھ دے کر پانچ راضی کر لیا
کامیابی پر ہوئے خوش تاؤ مونچھوں پر دیا

آگے بڑھ کر ایک حضرت کا ہوا پھر سامنا   ان سے جا کر اس طرح کی عرض با صد التجا
بندہ پرور ایک مذہب ہے ہمارا آپ کا   ووٹ دیجیے گا جو مجھ کو آپ خوش ہو گا خدا

ہیں مرے حلقے میں جو جو میرے مذہب کے خلاف
دیکھیے ممبر ذرا ہو لوں تو کر دوں سب کو صاف

خوش ہوئے سن کر جناب مولوی مکیتی   ہاتھ پھیرا ریش پر اور اس طرح تقریر کی
آپ اس کے اہل ہیں میری نظر میں واقعی   ذات سامی کو سمجھتا ہوں میں فخر ممبری

محترم میں وعدہ قبل از وقت کر سکتا نہیں
فرض ہے ایفائے وعدہ پھر مکر سکتا نہیں

مخلصِ احباب سے کیوں استشارہ کیجیے   راز پوشیدہ رہے کیوں آشکارہ کیجیے
سب سے اچھا ہے ذرا زحمت گوارا کیجیے   لیجیے تسبیح مجھ سے استخارہ کیجیے

عرض کی میں نے جو ان سے اس قدم پر دیکھیے
منع جب آئے تو پھر کچھ اس حکم پر دیکھیے

یہ نہایت کائیں تھے دل میں بولے سوچ کے   شکل تو اچھی ہے پر زیبا نہیں میرے لیے
استخارہ میں کروں کیا آپ کے ہوتے ہوئے   کرتا ہوں نیت تو میں آپ استخارہ دیکھیے

نیت ان کے دل میں تھی تسبیح ان کے ہاتھ میں
چوہا اپنی گھات میں تھا بلی اپنی گھات میں

منع آیا استخارہ چھوٹتے ہی پہلی بار — مولوی صاحب کے چہرے پر ہوا کچھ انزجار
پھر جو دیکھا واجب آیا ہو گئے بے اختیار — پوچھا نیت کس قدر پہ کی تھی بہر خاکسار

بولے نیت دس پہ کی تھی لیجئے بندہ نواز
کامیابی کی دعا فرمایئے بعد از نماز

اس جگہ سے اٹھ کے گھر پر ایک صاحب کے گئے — دس برس ناکام رہ رہ کر ہوئے تھے جو بی اے
ریلوے میں تھے ملازم خود بھی تھے چلتے ہوئے — آپ کی تنخواہ تو کم تھی ٹھاٹھ تھے لیکن بڑے

انگلش اسٹائل پہ رہنے کا جو ان کو شوق تھا
بوٹ بیڑی پاؤں کی کالر گلے کا طوق تھا

پھوس کے چھپر میں رہتے تھے پر اس سامان سے — اور فرنیچر تو خارج ان کے تھا امکان سے
ٹوٹی پھوٹی کرسیاں لے کر کسی دکان سے — بیٹھتے تھے ان پہ چھپر میں نہایت شان سے

نام اک تختی پہ لکھ رکھا تھا یوں بہر وقار
مسٹر ابراہام بی اے، ٹی ٹی سی ای آئی آر

دیکھ کر صورت کو ان کی اس طرح کہنے لگے — آئی ایم ویری بزی میک ہیسٹ جلدی بولئے
پھر ادھر ٹہلے ادھر ٹہلے گھڑی کو دیکھ کے — اپنے کتے سے کہا کم سون ان سے گو اوے

پھر کہا یو آر کنڈیٹ بٹ نو بولڈ مین
تم کو اپنی ووٹ کیسے دیگا صاحب اولڈ مین

چونکہ کنڈیٹ انگریزی سمجھتے ہی نہ تھے　　گڑگڑا کر اس طرح صنا سے فرمانے لگے
یہ تو ممکن ہی نہیں ہے آپ پیدل جائیے　　میں نے موٹر مانگ لی ہے آپ ہی کے واسطے
اور کیونکر اس طرح چلیئے گا مجھ کو دینے ووٹ
کیجیے پاکٹ بک پہ تاریخ الکشن جلد نوٹ

بات انگریزی نما اردو میں یوں صنا نے کی　　ہم کہا انگلش میں ٹم سمجھا نہیں او آئی سی
ڈیکھو اپنی ووٹ رکھنی مانگٹا ہے ہم فری　　کس کو ڈیگا پہلے بٹلانے نہیں سکتا کبھی
ہم سٹی فادر نہیں تم کو بنانا مانگٹا
ڈیم پھر موٹر پہ ہم کلہے کو جانا مانگٹا

ہو گئے مایوس جب پلٹے وہاں سے منہ بنائے　　دل میں کہتے تھے کہ ان کا ووٹ تو جاتا ہے ہائے
سال بھر پہلے بڑے دن میں جو ڈالی دے نہ پائے　　اب بجز اس کے کوئی صورت نہیں بنتی بنائے
فیس دے کر نرس اک بہر سفارش لاؤنگا
چل گیا حکمہ تو ان سے ووٹ پھر لے جاؤنگا

پھر بڑھے آگے یہاں سے ووٹ کے ارمان میں　　گھس پڑے یہ ایک بزقصاب کی دکان میں
نثر میں پڑھ کر قصیدہ پہلے اسکی شان میں　　چاہتے تھے یہ کہیں کچھ شیخ جی کے کان میں
یوں کنوتی کو بدل کر شیخ صاحب نے کہا
سنیئے حجرت ہم لگی لپٹی نہیں رکھتے جرا

چودھری نے کل کہا تھا ہم سے اے بھیا سکور　　سیکھ مُمے جس کو کہہ دیں ووٹ دیدینا جرور
پر منا ہی کر گئے جب مولبی عبدل گفور　　راپھجی کو ووٹ دے سکتے نہیں ہم تو حجور

سنتے ہیں کُران میں پھر گئے تھے کھدرسول
دین کی جب بات ٹھہری دکھل دینا ہے پھجول

حاجی کتب الدین بھی کہتے تھے سچی ہے یہ بات — گیر مجھب والے کو ممبر بنانا باہیات
سیکھ جی مجھب تمہارا اور ان کی اور جات — ہو کے ممبر وہ کھدا جانے کریں کیا واردات

ہاں کوئی مجھب کا اپنے ہو تو اس بوٹ دو
جب تمہیں موکا ملے ایسوں کو بھیّا چوٹ دو

ان کو بزقصاب نے جب دید یار دکھا جواب — یہ اٹھے دوکان سے مایوس با چشم پُر آب
اپنے در کر سے کہا جا کر کہ سنیئے تو جناب — آپ ہی تدبیر اب کچھ کیجیے اسکی شتاب

صرف کی پرواہ نہیں جو ہو مناسب کیجیے
شیخ جی کے ووٹ کو لیکن نہ جانے دیجیے

دل میں در کر خوش ہوئے کہنے لگے باصد سرور — اس طرف سے آپ بالکل مطمئن رہیئے حضور
اور لوگوں سے زیادہ صرف تو ہوگا ضرور — تو بھی جب آپ ہی کو ووٹ دیں عبداللہ کو

پیر لوٹن شاہ کی خدمت میں جاتا ہوں ابھی
حکم ان کا شیخ جی کے پاس لاتا ہوں ابھی

پیر لوٹن شاہ تھے اک خاندانی تکیہ دار — آنکھ میں سرمہ کئی رتی گلے میں چند ہار
ریش اقدس پان کے دھبوں سے رشک لالہ زار — گیروا کرتا گلے میں ہاتھ میں اک پشت خار

زرد تہمد پاؤں میں لکڑی کی اونچی سی کھڑاؤں
گھومتے پھرتے تھے یونہی شہر اور گاؤں گاؤں

پہنچے ور کر ان کی خدمت میں بہ تعجیل تمام　　دو روپے نذرانے کے دیکر کیا جھک کر سلام
عرض کی ہیں آپ تو حاجت روائے خاص و عام　　شیخ جی کا ووٹ دلوا دیجئے بس ہے یہ کام

چونکہ حضرت کی ہیں بیعت میں میاں عبدالشکور
آپ فرمادیں اگر تو ووٹ دیدیں گے ضرور

آپ کی دعوت کی کل گھر پر کرونگا انتظام　　شیخ جی کو بھی بلاؤں گا وہیں پر وقت شام
تذکرہ میں ووٹ کا چھیڑونگا بین طعام　　آپ ان کو حکم دیدیں گے تو ہو جائیگا کام

بولے لوٹن شاہ بابا خوش رہو دعوت قبول
ہم فقیروں کی دعا سے ہوگا سب مطلب حصول

ختم بھی کر دو ظریف اب تم بیانِ ممبری　　تابکے آخر رہو گے قصہ خوانِ ممبری
خواب سے چونکیں ذرا جب سرگرانِ ممبری　　پھر سنا دینا انھیں تم داستانِ ممبری

سمند فکر کی باگ اور جانب موڑ دو
سونے والے سو گئے قصہ ادھورا چھوڑ دو

نوجوان پلٹے

ہمیں تو واقعی اظہار میں بھی شرم آتی ہے　　کہ حسبِ صورت سے لندن جاکے اکثر نوجواں پلٹے
سمندر میں ڈبو کر اپنی وضع خاندانی کو　　فقط دو رے کے سوٹ اور بوٹ کالر ٹائیاں پلٹے
وطن میں آ کے انگلش سینیاسی ہو گئے فوراً　　مہاشہ جا کے کاشی جی کے لندن سے جہاں پلٹے
پہنچ کر میکدے میں حسنِ اخلاق اپنا کھو آئے　　بہت بادۂ نخوت میں ایسے سرگرداں پلٹے
غرض جنکی یہ تھی تحصیلِ علم و فضل یورپ میں　　وہ خالی بن کے جنٹلمین لے کر لیڈیاں پلٹے

لگادی آم کی جا کر قلم گملے میں یورپ کے — گلستان وطن کے یوں اناڑی باغباں پلٹے
بنے مہدی سے موڈی رام بل سے ہو گئے رمبل — قلابازی کچھ ایسی کھا گئے نام و نشاں پلٹے
غدودوں کو بدلوا کر وہ بندر بن گئے قلمی — جناب ڈارون کے جب پرانے قدر داں پلٹے
گزارا منچلوں نے سینما میں وقت تعلیمی — سند کی جا پہ لے کر چند تصویر بتاں پلٹے

ظریف المختصر یہ ہے کہ انکو کیا کہے کوئی
جو خود بیوی کی صورت بن کے لندن سے میاں پلٹے

تیز مرچ

پھیکے سیٹھے کا میں عادی تھا ہمیشہ سرکار — چٹنی ایسی غذا پائی جو میں نے ایک بار
کہ جسے کھا کے اچھلنے لگے بندر بن جائے — نتھنے بہنے لگیں منہ لال چقندر بن جائے
کر دے پیدا تپش ایسی دل بیتاب میں وہ — چکھ لے مردہ تو اچکنے لگے سرداب میں وہ
شوربا سونگھ لے گر سانپ تو یوں ہی رہ جائے — ڈنک پر ڈال دو بچھو کے تو گل کر بہہ جائے
صورت عقرب جرار ہے ٹکیا کا کباب — دال ہے جیسے جوا مرچ کا خالص تیزاب
قیمہ اور ساگ اگر کھلائے تو ہو کر بیتاب — سسکیاں لینے لگے اور خطا ہو پیشاب
مرچیں ہوتی ہیں جو کچھ چار سے سوا کھانے میں — مفت خوری کی سزا پاتا ہوں پاخانے میں
اس قدر مرچ کی عادت مجھے سرکار نہیں — میں نمکخوار ہوں مرچوں سے سروکار نہیں
کھانا جب کھانے لگوں سورہ رحمٰن پڑھ لوں — قل ہو اللہ پڑھیں آنتیں تو میں قرآن پڑھ لوں
کچھ دنوں اور جو ملتی رہی اس طرح غذا — کیا عجب مرچ کی تاثیر سے بن کر طوطا
ہو زباں لال اگر کوئی کہے کچھ بولو — یا تو میں ٹیں کروں یا کہہ دوں نبی جی بھیجو

مرچ ٹھنڈک کئے دیتی ہے قضا آتی ہے
سو سو کرتا ہوں تو سردی کو حیا آتی ہے
روکھی کھا لوں گا مرغن سے میرا استعفیٰ
صرف روٹی ملے سالن سے میرا استعفیٰ

گو زلزلے سے مٹ گیا صوبہ بہار کا
اور پانیر میں روز خبر دیکھتے رہے
ہر شام کو گئے سینما دیکھنے ضرور
دل بستگی سے تا بہ سحر دیکھتے رہے
کتنے ہوئے شکار اجل ان کو کیا غرض
جو مس سلوچنا کی نظر دیکھتے رہے
کس لطف سے یہودی کی لڑکی کے پارٹ کو
ہندوستان کے اہلِ نظر دیکھتے رہے
اُن کو فراق یار سے فرصت کہاں ملی
ہجراں نصیب خواب سحر دیکھتے رہے
جب تک نہ وائسرائے کی شائع ہوئی اپیل
منعم سب اپنا کیسۂ زر دیکھتے رہے
امداد دیکھی آہ تماشے پہ منحصر
ہم خیر میں بھی پہلوِ شر دیکھتے رہے
دل ٹس سے مس ہوا نہ کسی کا بھی اے ظریفؔ
دنیا تمام زیر و زبر دیکھتے رہے

مُشاعِرہ

شکوہ، تعلیم اے ہندوستاں بیکار ہے
تو عرب کی جاہلیت کا علمبردار ہے
تھا زباں سے عشق اِسکو تو مگر بیزار ہے
شاعری کا تجھ میں ہر نااہل دعویدار ہے
تیری اُردو نے زمانے بھر کی بازی مات کی
شاعر اسّی فیصدی، تعلیم سو میں سات کی

اے عجائب خانۂ ہستی کی جنس بے بہا — عہد موجودہ کے شاعر واہ کیا کہنا ترا
تیری کثرت ہر جگہ مردم شماری سے سوا — تو فرشتہ ہے بشر کی شکل میں اس عہد کا

تجھ کو کھانے سے نہ کچھ مطلب نہ کچھ پینے سے کام
شعر کہہ کہہ کر سنانے اور فقط جینے سے کام

ہے بہت تکلیف وہ شاعر کی وہ خفقانِ عجیب — جو سنانے کے لئے بے چین رہتا ہو غریب
اس کو اچھا کر نہیں سکتا کوئی کامل طبیب — شاعری کی جس کو بدہضمی ہو ہیضہ کے قریب

چاہتا ہے سب سنادوں جو کہوں اک سال میں
مبتلا ہے شاعری کے سخت نزلہ اسہال میں

سب کو قلت وقت کی تجھ کو فراوانی ملی — سنگ کو انسان کی شکلِ ہیولانی ملی
کسب زر سب کے لئے تجھ کو غزل خوانی ملی — مفت کی بیگار کرنے کو سخن دانی ملی

ہر ضرورت تیری اک جھوٹا بہانہ بن گئی
معذرت تک آہ عذر شاعرانہ بن گئی

کچھ صعوبات سفر ہوتے نہیں مانع تجھے — صحبت شعر و سخن میں فرض ہے جانا تجھے
کام شب بھر جاگنا مصرع کا دہرانا تجھے — ہر غزل کی داد دینا اور چلانا ہے تجھے

تیری شرکت لازمی ہر شہر میں ہر گاؤں میں
سر میں سودائے سخن ہے اور سنیچر پاؤں میں

منعقد دیہات میں ہوتی ہے جب بزم سخن — اور بلائے جاتے ہیں اطراف سے کچھ اہل فن
جب سواری سے اترتے ہیں اسیران محن — اُن کا استقبال یوں کرتے ہیں اہل انجمن

پہلے قربانی کے بکرے کی طرح گردن میں ہار
ان کے پڑتے ہیں جو ہوں شعر و سخن کے جاں نثار

پھر اقامت گاہ کی جانب بصد جاہ و جلال — بڑھتا ہے آہستہ آہستہ گروہِ با کمال
گردِ مجمع طالبانِ دید کا خوش اور نہال — کچھ جواں کچھ بوڑھے کچھ بچے بھی انمیں خورد سال

آگے آگے ڈھول تاشے پیچھے دہقانی گنوار
داہنے بائیں گل افشاں پھلجھڑی اور کچھ انار

بعض اس مجمع میں سنجیدہ ہیں بعضے بانگڑو — دیکھ کر ان سب کو کرتے ہیں یہ باہم گفتگو
کاہے ہو بھیا بساون تم کو تبلائس کو وُ؟ — جن کی نٹئی مال پڑے ہیں ہار سب ساعر ہیں یو

کا طبلیا اور سرنگیا لوگ ان کے ساتھ ہیں
پھر لگس گئی ہیں گھمل یو سب تو کھالی ہاتھ ہیں

ان میں دیہاتی بھی اک شاعر تھے علامہ فہیم — نام نامی آپ کا تھا مولوی عبد الکریم
گو زمینداری کے بک جانے سے تھی حالت سقیم — تھی طبیعت پر سکوں اس سے کہ کھاتے تھے یتیم

آپ جب مکتب میں پڑھتے تھے جب ہی سے شوق تھا
بیت بازی شاعری دونوں سے ان کو ذوق تھا

سر پہ پٹے کان کی لو تک پریشاں سر بسر — اک دو پلی ٹوپی اونچی سی پرانی زیبِ سر
ٹانگ میں بردار پاجامہ انگرکھا جسم پر — کھچڑی ڈاڑھی بیچ سے آدھی اِدھر آدھی اُدھر

ہاتھ میں ڈنڈا، نری کا اک چرھواں پاؤں میں
آپ رہتے تھے وہیں اجڑے ہوئے اک گاؤں میں

تھی ریسپشن کی کمیٹی بھی رو بہ رواں
بہر استقبال یہ تشریف لائے تھے وہاں

آپ ہر شاعر سے مل مل کر یہ کرتے تھے بیاں
شاعران نکتہ پرور ہیں بھی ہوں اہل زباں

تین سو غزلیں لکھی ہیں نے مضامینوں کے ساتھ
انشاء اللہ آج سنئے گا سخن بینوں کے ساتھ

یوں تو اس قصبے میں کہنے کو بہت استاد ہیں
آپ لوگوں کی دعا سے مجھ سے کم استعداد ہیں

میری غزلیں اکثروں کو رنڈیوں کو یاد ہیں
میں کہوں کیا آپ سے جب آپ سب نقاد ہیں

یہ ذرا واقف نہیں دہقانیاں بے کمال
سے پوچھیں تو بتادیں ان کو شعراؤں کا حال

یہ ہیں از قسم مویشی شکل انسانوں کی ہے
آپ فرمادیں یہی توقیر مہمانوں کی ہے

رنڈیوں سے بھی جو کم عزت سخن دانوں کی ہے
حضرت والا کمی اتنی قدر دانوں کی ہے

ہائے شعراؤں کو جانیں کیا بسادن گوہری
قدر گوہر شاہ داند یا بداند جوہری

دیکھ تیری قدر یوں کرتے ہیں تیرے قدرداں
کوئی میلہ ہو کہیں پر یا نمائش یا یہاں

جس میں سرکس بھی ہو دنگل ہیں بٹیر کچھ پہلواں
یاد کر لیتے ہیں بھولے سے تجھے بھی مہرباں

دیتے ہیں لالچ میڈل کا تیری عزت کے لئے
تھرڈ کا تجھ کو ٹکٹ ملتا ہے شرکت کے لئے

وہ بھی جب کافی ضمانت ہو کہ شاعر آئے گا
یہ کرایا تو کہیں لے کر نہیں کھائے گا

ایک بھرتی کرنے والا خود ٹکٹ دلوائے گا
اپنی ہمراہی میں تجھ کو ریل پر بٹھلائے گا

پڑھ نہ لے جبتک غزل ہوتی رہیگی دیکھ بھال
بعد اس کے ایک ووٹر اور شاعر کا مآل

یہ بھی ہے شاعر کے ذمے اک ضروری اور کام — جب غزل پڑھنے شریک بزم ہو یہ نیک نام
اپنے جوتوں کا کرے اپنی بغل میں انتظام — ورنہ ننگے پیر گھر آنا پڑے گا والسلام

بزم میں کچھ قدرداں اس قسم کے آجائیں گے
چھانٹ کر اکثر نئے جوتے چرا لے جائیں گے

تیری پالی دیکھنے کو جمع ہوتے ہیں عوام — گرد تیرے طائفے کے اک گنوردل اژدہام
وہ غزل پڑھنا خوش الحانی سے تیرا وقت شام — واہ وا کا شور پھر جھک جھک کے وہ تیرے سلام

جمع ہوتی ہے تجھے ساری خدائی دیکھنے
طرح کے مصرع کے دانے پر لڑائی دیکھنے

اس طرح تعریف کرتے ہیں تیری اکثر گنوار — کا ہے رگھونندن کبھوں دیکھے ہیو ایسی بہار
یو بڑا شاعر پڑھے آدا ہے کو نو جوردار — اُس پڑھے ماں لام باندھس مچ گئی گوآگھار

جون برا پڑھس بانگی گجل جھلائے کے
کود جھومے لاگ کو ورہ گوا منہ بائے کے

یاک بریا اور ہم دیا کھالے کر باندھان — جب گیئں کمپو ماں جیسں ہوئی جگا گنگا نہان
کانگرس کا ایک بم ٹریہ کینس بکھان — آل انڈیا مسہرا ہوئی ہے جیس دیکھے کسان

اس سماں دیا کھائی کا تم سے ہم بتیا کدار
یاک بولا سب منیئن چھپان جس بولیں سیار

اک کبڑیا سن کے یوں کرنے لگا اظہار رائے — یہ تو شاعر تھا پھسڈی اور بڑھیا کوئی آئے
جو گجل میں جلف کا ماسوک کی نکسا دکھائے — ہم سے سو کھیںوں کے دل پر کچھ رعاب اپنا جمائے

ڈانٹ کے للکار کے ہر ایک مے پھل ہیں پڑھے
جو گجل ہو کے یہ کہہ ڈالے مکابل ہیں پڑھے

بھائیوں نو کار ساعر اس ہیں ہو چاہیے کرنج — راگ ہیں اور راگنی ہیں چاہیئے اس کو تمیج
جو کہیتی اور بڑھیتی جانتا ہو دو توں پیچ — آج کل مے پھل میں ہوتا ہے وہی ہر دل اجیج

آسک و ماسوک کی کھود بھی اداد کھلائے جو
چوٹ دل پر وے کے سب مے پھل کو بس گرمائے جو

بھائی مولا بکس جس بستی ہیں ہم آباد ہیں — اس جگہ ساعر بڑے بڑھیا ہیں ما در جاد ہیں
ان سبھوں میں سیکھ بدلو اک جگت استاد ہیں — ان کو ہر مو کے کی گجلیں منہ جبانی یاد ہیں

جس جگہ استاد نے دو تین گجلیں جھاڑ دیں
ساعروں نے ہو کے سرمندہ بیاجیں پھاڑ دیں

نام تو ہے سیکھ بدلو اور تکھلس ہے بدل — کیا کہیں اللہ کا ہے انکے اوپر کیا پھجل
کا پھیے ایسے ملاتے ہیں وہ بڑھیا اور ڈبل — ایک گھنٹے میں کہو سو سیر کی کہہ دیں گجل

بھور کر دیں وہ کہیں پڑھنے جو بیٹھیں سام سے
کانپتے ہیں اور ساعر لوگ ان کے نام سے

یہ نمائس میں ابھی دیوے گئے تھے پار سال — ایک حکانی گجل ایسی سنائی بے مثال
حاکم اور تے سیل دار ایسے ہوئے سن کے نہال — دیدیا تمگا انھیں سونے کا جھٹ بے کیل و کال

اور جو شاعر نمائش میں گئے بھس ہو گئے
بس جگت استاد بد لوگوں مڈلس ہو گئے

پیسے والوں کی سمجھ میں آگئی ہے اب یہ بات | صرف بے جا ناچ گانے کا ہے بالکل واہیات
جب کوئی جلسہ خوشی کا ہو کہیں پر ہو برات | منعقد بزم سخن ہوتی ہے تا کٹ جائے رات

پہلے ارباب نشاط آتے تھے گانے کے لئے
اب تو شاعر جاتے ہیں غزلیں سنانے کے لئے

گو کہ شاعر اور مغنی میں تھا فطری ساز باز | پر جدا رکھتا تھا ان دونوں کو فنی امتیاز
تھا گلے پر اس کو اور اسکو زباں پر اپنی ناز | محفلیں دونوں الگ تھیں اور جداگانہ تھے ساز

تھا جہاں نغمہ محل باتیں بنانے کا نہ تھا
بزم شعر و شاعری میں دخل گانے کا نہ تھا

تھا غزل معشوق سے کچھ دردِ دل کہنے کا نام | سادگی الفاظ کی حسن ادا کا اہتمام
وارداتِ قلب کی صورت گری کا التزام | اتنا ہی اس صنف میں تھا صرف اک شاعر کا کام

نالۂ دل کے لئے لے کی ضرورت ہی نہ تھی
عشق کی فریاد کو لے کی ضرورت ہی نہ تھی

یاد ایامے کہ شاعر کو زباں پر ناز تھا | قوتِ تخیل ہی سرمایۂ اعزاز تھا
لفظ ہی میں سوز تھا اور لفظ ہی میں ساز تھا | نغمہ شاعر کا روح القدس ہم آواز تھا

اب اگر قابو ہو اُن پر تو ملے شاعر کو داد
سُر، رکھب، گندھار، مدھم، پنچم اور دھیوت نکھاد

جب سخن سنجوں میں کثرت ہو انھیں اصحاب کی
محض نغمے ہی کو جو سمجھیں کمال شاعری
قلب پر جن کے اثر کرتی ہو تان اور گٹکری
سوز سے نا آشنا دل وادہٗ خنیا گری

رہتے ہیں بیچین جو نے کے لئے دُھن کے لئے
بھیرویں بے وقت کی ہے اب غزل اُنکے لئے

مٹ گیا تانیث اور تذکیر کا جب امتیاز
اب نہ داڑھی ہے نہ مونچھیں اور نہ وہ زلفِ دراز
رفتہ رفتہ بڑھ گیا شوق ذوق نغمہ ساز
شاعر اب آئیں گے محفل میں پہن کر پیشواز

ختم اس فقرے پہ ہو گی ہر غزل استاد کی
سنیئے میں ہوں جانکی بائی الہ آباد کی

تو نمونہ سر بسر اخلاق و خودداری کا تھا
اک مُصفا آیئنہ تو قدرت باری کا تھا
تو معالج نفس امارہ کی بیماری کا تھا
تو ذریعہ ملک اور ملّت کی بیداری کا تھا

کتنی عبرت خیز شے اب عالمِ ہستی میں ہے
جس نے قوموں کو ابھارا تھا وہی پستی میں ہے

الکشن

الکشن کے سرکس کو اب دیکھئے گا
کہ ہوتے ہیں کرتب وہاں کیسے کیسے

سیاسی قلابازیاں کھانے والے
ہیں سنگھٹ حماقت نشاں کیسے کیسے

سیہ مست ہیں نشۂ لیڈری میں
مریدانِ پیرِ مُغاں کیسے کیسے

کوئی مولوی ہے کوئی مالوی ہے
اٹھالے کے انگڑائیاں کیسے کیسے

اکھاڑے میں کونسل کے لکھوانے والے
ہوئے جمع پیر و جواں کیسے کیسے

ہیں تیار لڑنے پہ شہ زور پٹھے
پچھیت ان میں ہیں پہلواں کیسے کیسے

گھمنڈ اس کو دولت پہ جرأت پہ اُسکو
اکٹھا ہوئے بدگماں کیسے کیسے

لڑے گا جو ناقوس شورِ اذاں سے
تو اٹھیں گے فتنے یہاں کیسے کیسے

مرے ناتواں ہند کے رہنے والو!
تمہارے بھی ہیں مہرباں کیسے کیسے

بہار و خزاں کے اثر دیکھنا ہیں
تجھے باغ ہندوستاں کیسے کیسے

"زمین چمن گل کھلاتی ہے کیا کیا
بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے